مسئلہ افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی فتویٰ

موسوم بہ

التحقیق الدقیق فی أفضلیة الصدّیق

شانِ سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از قلم

اُستاذ العلماء مفتی ضمیر احمد مرتضائی حفظہ اللہ تعالیٰ

مُسلم کتابوی لاہور

مسئلہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی فتویٰ

موسوم بہ

التحقیق الدقیق فی أفضلیة الصدیق

شانِ سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَز قلم

اُستاذ العلماء مفتی ضمیر احمد مرتضائی حفظہ اللہ تعالیٰ

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ نعیمیہ لاہور

مُسلم کتابوی لاہور

نام کتاب : شانِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصنف : حافظ ضمیر احمد مرتضائی

ناشر : مسلم کتابوی

دربار مارکیٹ اُردو بازار لاہور

کمپوزنگ : عبدالرحمن انور (0312-4856024)

طبع اول :

تعداد : گیارہ صد

صفحات :

قیمت :

انتساب

حضور شیخ المشائخ محقق ومدقق، مناظر اسلام، امام العاشقین، برہان الواصلین

حضرت خواجۂ عالم

پیر غلام مرتضیٰ فنافی الرسولؒ

اوران کے لختِ جگر، نورِ نظر، حامل علم لدنی، مادرزاد ولی اللہ، مردِ حق، مناظرِ اسلام

شیخ الفقہاء والمحدثین استاذ العلماء

فضیلۃ الشیخ حضرت خواجۂ عالم

پیر نور محمد مرتضائی فنافی الرسولؒ

اوران کے خلف الرشید، شاگرد حمید، علوم مرتضائیہ کے امین پروردۂ آغوشِ ولایت

حضور فضیلۃ الشیخ قبلۂ جہاں حضرت علامہ مولانا

میاں نذیر احمد نقشبندی مرتضائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام

جن کی نظر عنایت اور فیضانِ کامل سے اس ادنیٰ خاکسار کو

دین متین کی خدمت کا موقع میسر آیا

(والحمدللہ علی ذلک)

اھداء

بندہ اس کاوش کو اپنے والدین اور تمام مخلص اساتذہ کے لیے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے

خصوصاً

محسن اہل سنت، نازشِ مدرسین، استاذ گر، فخر الاساتذہ نصر الملۃ والدین علم الھدیٰ

حضرت علامہ مولانا **غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی** دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور)

اور

یادگار اسلاف محب اسلام مشفق اہل سنت استاذ الفضلاء عارف باللہ مخدوم العلماء

محافظ ناموس رسالت شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا

حافظ خادم حسین رضوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(امیر تحریک فدایانِ ختم نبوت، پاکستان)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

فقط

حافظ ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

فہرست

تقریظ

اہلسنت و جماعت کا اتحاد ترقی و سعادتمندی کا ذریعہ ہے اور ان کا باہمی نزاع تنزلی وانحطاط کا سب سے قوی سبب ہے۔ باہمی نزاع میں پسندیدہ، اسلم اور احوط طریقہ حسب فرمان ”البرکۃ مع اکابر کم“ اکابر کی تحقیقات کی پیروی ہے۔

ماضی قریب میں اہلسنت میں ایک نزاع پیدا ہوا اور فریقین نے اعتدال کا دامن چھوڑ دیا وہ نزاع مسئلہ تفضیل کے سلسلہ میں پیدا ہوا۔

اہلسنت میں پائے جانے والے نزاع کو رفع کرنے اور باہمی اتحاد کی فضاء کو فروغ دینے کے لیے ہمارے انتہائی مؤقر اور فاضل دوست حضرت العلام مفتی ضمیر احمد مرتضائی مدظلہ العالی نے بڑی عمدہ کاوش فرمائی ہے۔ اللھم زد فزد

مسئلہ تفضیل میں فقیر کے نزدیک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تحقیق حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سنیوں کا حاصل مذہب یہ ہے کہ بعد انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم جو قرب و جاہت و عزت و کرامت و علوشان و رفعتِ مکان و غزارتِ فخر و جلالت قدر بارگاہِ حق تبارک و تعالیٰ میں حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین کو حاصل ان کا غیر اگرچہ کسی درجۂ علم و عبادت و معرفہ و ولایت کو پہنچے اوّلی ہو یا آخری اہل بیت ہو یا صحابی ہر گز اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر شیخین کو امورِ مذکورہ میں ختنین پر تفوق ظاہر و رجحان باہر، بغیر اس کے کہ عیاذاً باللہ فضل و کمالِ ختنین میں کوئی قصور و فتور راہ پائے۔

اللہ کریم ہم سب کو اکابر کی تحقیقات کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین

العبد الضعیف

محمد ہاشم غفرلہ

خادم الطلباء جامعہ نعیمیہ لاہور

۱۰ر نومبر ۲۰۱۵ء

مقدمہ

الحمدلله الذی فضل الإنس والجان بالدرجة التحقیق و
الصلوة والسلام علی من بعث بالمعجزة والبرهان الدقیق و علی
اله وأصحابه النائبین الرسول الصدیق

أما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

ثانی اثنین إذهما فی الغار (التوبة:۴۰)

''صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔''

فالصدق فی الغار و الصدیق لم یرما
وهم یقولون ما بالغار من أرم

پیکر صداقت اور صدیق دونوں غار میں تھے انہیں قضاء وقدر سے کوئی شکایت نہ تھی
اور کفار کہہ رہے تھے کہ غار میں تو کوئی بھی نہیں ہے

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابۂ کرام ادب و احترام کے لائق ہیں۔ ہمیں ہرگز یہ اختیار نہیں کہ کسی ایک کو بڑا بنا کر دوسرے صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت شروع کر دیں۔ البتہ جو مراتب و درجات شریعت مطہرہ میں وارد

ہوئے اس پر یقین کامل رکھنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جو فضائل و مناقب خلفاء راشدین کے ہیں وہ یقیناً کسی اور کے نہیں اور ہمارا یہ فیصلہ بھی از خود نہیں بلکہ احادیث مبارکہ کے مضامین و مفاہیم سے ہے۔ اسی طرح خلفاء راشدین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو مرتبہ آزاد بیگانے مردوں میں سے پہلے ایمان لانے کے اعتبار سے ہے دنیائے اسلام کے پہلے خطیب بن کر تکلیف مشرکین سے دوچار ہونے میں ہے۔ گھر کا سارا مال قربان کرنے میں ہے۔ سفر ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرنے میں ہے اور بالآخر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا آپ کو حیات ظاہری کے آخر میں اپنے مصلیٰ پر امامت کے لیے قائم کرنے میں ہے۔ پھر یہ اشارہ اور واضح فرمایا کہ خود جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امام بن گئے اور تمام مقتدی صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقتداء بنائے کھڑے ہیں۔

یہ بات اس قدر واضح تھی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد جمیع صحابہ کرام نے آپ کی بنی سقیفہ کے نیچے بیعت کر کے واضح کر دیا کہ أصحاب فضائل و مناقب جن کی بیعت کرنے میں زیادہ ہیں ان کی فضیلت کو تسلیم کرنے والے زیادہ ہیں اور بارگاہ قدس میں کثرت ثواب کے مرتبہ کا حامل بھی ایسی ہی شخصیت ہوتی ہے۔

بہرکیف ہمیں آج کابرین کی تحقیقات پر عمل کرنے میں سلامتی ہے۔ تاہم دارۂ اسلام میں رہتے ہوئے تحقیق و تدقیق کا حق ہر محقق کو ہوتا ہے لیکن یہ طریقہ انتہائی برا ہے کہ اصول تکفیر جانے بغیر حکم تکفیر عائد کر دیا جائے اور وجہ کفر غیر قطعی ہو یا بیان ہی نہ کرنا۔

بندہ نے اہلسنت کے اتحاد کے لیے اس مسئلہ میں جو گزارشات پیش کی ہیں امید ہے انصاف پسند حضرات اسے قبولیت کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ بندہ ناچیز کی علمی

بضاعت اگرچہ ہیچ ہے لیکن اتحاد اہلسنت کا شوق اور ارباب علم ومحبت کی دعاؤں کا ذوق مجھے ضرور دامن گیر ہے۔ یقیناً احباب علمی الجھاؤ سلجھاؤ میں پڑنے کی بجائے مقصد خیر کو ضرور سمجھیں گے۔ کفر کی سازشوں اور چالبازیوں کے خلاف ضرور میدانِ سیاست میں اتریں گے۔

مسئلہ افضلیت پر اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مفتی محمد حنیف خاں رضوی بریلوی حفظہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

پیش نظر کتاب ''الزلال الانقی'' کا موضوع سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا اثبات ہے جس کے لیے آپ نے آیت کریمہ: (وسیجنبھا الاتقی) میں وارد (الاتقی) سے استدلال فرمایا ہے، کہ اس سے مراد باتفاق مفسرین آپ ہی کی ذات ہے۔

خطبہ کے بعد کتاب کی خوبیاں، احوال وکوائف، اپنے آبائے کرام ذوی الاحترام کا تذکرہ اور نثر ونظم دونوں میں ان کی مدح وثنا ہے۔ پھر سبب تصنیف بیان فرماتے ہوئے ان واقعات کی طرف بھی اشارہ ہے جن میں سے بعض کا ذکر ہوا۔ کیوں کہ وہ بھی اسی سنہ میں رونما ہوئے تھے۔

کتاب میں خطاب تفضیلی گروہ کے سرغنہ: صاحبان علم ودانش، مدعیان فضل و کمال اور ارباب فکر وفن سے ہے، لہٰذا آپ نے مضامین عالیہ کو کمال تحقیق وتدقیق سے بیان فرماتے ہوئے زبان بھی نہایت معیاری اختیار فرمائی ہے، اس لیے کہ کتاب عربی زبان کے محاورات، ضرب الامثال، استعارات وکنایات، محسنات بدیعہ اور زبان و

ادب کی بے شمار خوبیوں سے مزین ہے۔ کتاب کے مضامین میں ذکر کردہ دلائل قرآن وحدیث کی روشنی میں تو ہیں ہی ساتھ ہی اصول حدیث واصول تفسیر، فقہ واصول، نحو وبلاغت اور حکمت ومنطق کے بہت سے قواعد بھی نہایت تحقیق سے بیان فرما کر اپنے مدعا کو ثابت فرمایا ہے۔

مقدمہ اولیٰ: کتاب کا آغاز اس آیت کریمہ سے ہوتا ہے جس میں اس چیز کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس کے بندوں میں سے وہی سب سے زیادہ عزت والا ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ آیت کریمہ کے شان نزول میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اہل جاہلیت اپنے نسب پر نازاں رہتے تھے جس کو رد کر دیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرما کر ان کے اس فخر کو خاکستر کر دیا۔ لہٰذا اب نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ عربی کو عجمی پر۔ غرض کہ سب پر فخر کے رد وابطال کے سلسلہ میں معالم التنزیل، مدارک التنزیل اور کشاف کے حوالوں سے اس مطلب کو خوب خوب واضح کیا ہے۔

مقدمہ ثانیہ: اس مقدمہ میں اس آیت کا بیان ہے جس میں ''اتقی'' (سب سے بڑے پرہیز گار) کا ذکر ہوا ہے (کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا) پھر اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اس باب پر اجماع ہے کہ ''اتقی'' سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے ابن ابی حاتم، طبرانی، بغوی، ابوالسعود کی روایات کو عبداللہ بن مسعود، عروہ بن زبیر، محمد بن اسحاق، ہشام بن عروہ، سعید بن مسیب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر وغیرہم روایان حدیث سے بیان کیا کہ حضرت صدیق اکبر نے یکے بعد دیگرے سات غلاموں

کو خرید کر آزاد فرمایا تو یہ آیات نازل ہوئیں کہ: اور اس سے بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے، جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو۔ (سورۃ اللیل: آیات: ۱۷،۱۸،۱۹)

آخر میں فرمایا کہ امام بغوی، امام رازی اور علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس پر ہمارے اہل سنت مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات صدیق اکبر کے حق میں نازل ہوئیں، حتی کہ طبرسی رافضی نے بھی اپنی تفسیر ”مجمع البیان“ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

والفضل ما شهدت به الأعداء۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہاں مخالفین کی طرف سے چار وجوہ سے اعتراض ہو سکتا ہے جن کو ہم دو وجہ میں منحصر کر کے بیان کرتے ہیں:

وجہ اول: یہ تسلیم نہیں کہ صدیق اکبر پر کسی کا ایسا دنیوی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ نہ ہو سکے، سب سے پہلے تو ان کے والدین ہی کا ان پر احسان تھا کہ انسان کبھی بھی ماں باپ کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا اور یہ احسان دنیوی ہے۔ اسی طرح حضور کے احسانات امت کے ہر فرد بلکہ جمیع خلائق پر ہیں کہ تمام نعمتوں کے خزانے اللہ تعالیٰ نے ان کے دست کرم میں دے دیے اور خلافِ عظمیٰ اور نیابت کبریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا۔ پھر کون ہے جو ان کا مرہون منت نہیں۔ لہٰذا اگر حضرت علی اس آیت کے مصداق نہیں تو حضرت ابو بکر بھی نہیں۔

اس وجہ کا جواب دو طرح سے دیا۔

جواب اول: آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو پھر آیت سرے سے معطل ہو جائے

گی اور کبھی کوئی اس کا مصداق نہ ہو سکے گا۔

جواب دوم: یہاں وہ دنیوی احسان مراد ہے جو انسان کی قدرت میں ہو۔

وجہ دوم: یہ بات تسلیم نہیں کہ صدیق و علی کی افضلیت پر اجماع مسلمین ہے، بلکہ یہاں دو فرقے اور ہیں۔ ایک حضرت عمر فاروق کی افضلیت کا قائل اور دوسرا حضرت عباس عم رسول کو افضل مانتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت علی اس آیت کا مصداق نہیں تو صدیق اکبر متعین ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں یہ بھی ثابت کرنا لازم ہے کہ فاروق اعظم اور عباس عم مکرم کیوں اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

جواب: آیت کے نزول کے وقت یہ دونوں حضرات مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے جیسا کہ آیت کا شان نزول ذکر کیا جا چکا۔

ان تمام تر تحقیقات کے باوجود تفضیلی گروہ کی جانب سے تین شبہات پیش کیے جاتے ہیں، لہٰذا آپ نے کتاب کو تین ابواب پر مرتب کیا اور ہر باب میں ایک شبہ کا جواب دیا۔

باب اول

یہاں شبہہ یہ ہے کہ آیت میں وارد لفظ (الاتقی) کے بارے میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ ”تقی“ کے معنی میں ہے، لہٰذا آپ کا استدلال ہی سرے سے ساقط ہو گیا۔

اس شبہہ کے جواب کے لیے سیدنا اعلیٰ حضرت نے پہلے پانچ مقدمات تحریر فرمائے ہیں، پھر خلاصہ کلام ہے اور آخر میں شبہہ کا دو طرح سے جواب ہے۔

مقدمہ اولیٰ: نقلی و عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بغیر حاجت الفاظ کو ان کے ظاہری معنی سے پھیرنا منع ہے۔

مقدمہ ثانیہ: کچھ تفاسیر میں نقل ہو جانا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں، کیوں کہ تفسیر مرفوع نہایت قلیل اور اللہ تعالیٰ کی مراد کا قطعی علم بغیر اس کے دشوار۔

امام زرکشی نے تفسیر قرآن معلوم کرنے کے چار طریقے بتائے:

پہلا طریقہ: وہ تفسیر جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہو۔

یہ طریقہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہے، مگر دشواری یہ ہے کہ منقول روایات میں بہت سی ضعیف و موضوع ہیں۔ یہی حال صحابہ و تابعین کے اقوال کا ہے کہ تفسیر کے سلسلہ میں ان سے قلیل روایات ہیں اور ان میں بھی بہت کچھ غیر معتبر، ضعیف اور موضوع ہیں۔ پھر ان کے بعد ہر لغوی، نحوی، بیانی اور علوم قرآن کی کسی بھی نوع کا جاننے والا تفسیر میں مشغول ہو گیا اور جہاں تک اس کے فہم و فراست نے ساتھ دیا اس میں حصہ لیا۔ پھر ایسا زمانہ بھی آیا کہ لوگ ہر طرح کے اقوال جمع کرنے میں لگ گئے اور جو ملا سب نقل کر ڈالا۔ اس طرح حق و ناحق کی ملاوٹ رونما ہوئی۔

ایسا اس لیے بھی ہوا کہ لوگوں نے کلام باری کی عظمت شان کا لحاظ نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی روزمرہ کی بول چال پر محمول کر کے محض الفاظ کو پیش نظر رکھا۔ لہٰذا ایسے لوگ غلطی پر غلطی کرتے گئے۔

امام سیوطی نے قدماء کی تفسیروں کے بیان کے بعد فرمایا کہ: پھر تفسیر کی کتابوں کی اس طرح کثرت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے خیالات کو بھی ان میں شامل کر دیا اور بعد کے لوگوں نے یہ سمجھ کر نقل کر دیا کہ ان کی بھی کوئی اصل ہوگی۔

لہٰذا امام سیوطی نے آخر کتاب میں تمام کتب تفاسیر سے بے زاری کا اظہار

فرماتے ہوئے تفسیر ابن جریر کی رہنمائی پر اکتفا کیا۔ اسی طرح امام ذہبی سیرت و تاریخ کی کتابوں سے عاجز آئے تو امام بیہقی کی دلائل النبوۃ پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

آخر میں فرماتے ہیں:

ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ تفسیر کی اکثر کتب غیر مستند روایات پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ان اقوال کا تسلیم کرنا ہم پر لازم نہیں۔ اگر ہمارے سامنے اس طرح کے اقوال آئیں جن کے ذریعہ ظاہری معنی سے عدول ہو اور حاجت و ضرورت محقق ہونے کے ساتھ اس قول کی نسبت ایسی ذات کی طرف ثابت ہو جن کا قول واجب القبول مانا جاتا ہے جب تو ہم تسلیم کریں گے ورنہ نہیں۔

مقدمہ ثالثہ:

مفسرین جب کسی آیت کے مختلف معانی بیان کریں، تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اختلاف محض تعبیر کا ہوتا ہے حقیقی اختلاف نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ متعدد معانی رکھتے ہیں، اس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں اور اس کی آخری منزل تک رسائی ممکن نہیں اور قرآن اپنے ہر معنی پر حجت ہے، اس سلسلہ میں چند احادیث بیان فرما کر لکھتے ہیں:

اب بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ ایسی جگہ قرآن کے ایک معنی دوسرے معنی کے منافی نہیں اور کوئی ایک معنی دوسرے معنی کو چھوڑ دینے کو لازم نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ مجتہدین عظام ایک معنی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ دوسرے معنی بھی ہیں۔ پھر بسا اوقات مفسرین کا اختلاف نوعی ہوتا ہے نہ کہ اختلاف تضاد۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

اول صورت یہ ہے کہ معنی سب کے ایک ہوں۔ جیسے (الصراط المستقیم) میں اختلاف ہوا۔

کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔

کوئی اسلام، سنت و جماعت، طریقہ عبودیت وغیرہ بتاتا ہے۔

اور در حقیقت سب کا مرجع ایک ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مفسر کسی اسم عام کی ایک نوع بیان کرے، تو یہ حد تام کے طور پر نہیں ہوتا، جیسے قرآن میں وارد الفاظ "ظالم مقتصد سابق" کے بارے میں منقول ہوا کہ

واجبات کا تارک اور محرمات کا مرتکب "ظالم" ہے۔

واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والا "مقتصد" ہے۔

اور واجبات کے ساتھ دیگر حسنات پر عمل کرنے والا "سابق" ہے۔

پھر بعض دیگر مفسرین عبادات میں اس کی تفسیریوں کرتے ہیں کہ

جو اول وقت میں نماز پڑھے وہ "سابق"۔ درمیان وقت میں "مقتصد" اور مکروہ وقت میں پڑھنے والا "ظالم" ہے۔

پھر امام زرکشی کے حوالے سے فرمایا: بسا اوقات مفسرین کی مختلف عبارتوں سے کوتاہ فہم اختلاف حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ مفسر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو اس کے نزدیک زیادہ ظاہر ہو وہ معنی بیان کرتا ہے۔ یا پھر سائل کے حالات کو پیش نظر رکھ کر معنی بیان کرتا ہے۔ دوسرا مفسر اسی کے لازم معنی یا اس کی نظیر بیان کرتا ہے اور کوئی مفسر ثمرہ و نتیجہ بیان کرتا ہے اور ان سب کا مرجع و مآل ایک ہوتا ہے۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہوئے جس کا معنی کا احتمال مفسر کو نظر آتا ہے اس کو بیان کر دیتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ: (انفروا خفافاً و ثقالا) یعنی کوچ کرو ہلکے یا بوجھل۔ اب اس "خفاف و ثقال" کی تفسیر میں کوئی جوان اور بوڑھا مراد لیتا ہے۔ کوئی غنی و فقیر۔ کوئی شادی شدہ اور کنوارا۔ کوئی صحت مند و بیمار۔ بیان کرتا ہے اور آیت میں ان سب کا احتمال ہے۔

آخر میں فرمایا: یہ فصل وسیع و عریض ہے، اگر تفصیل بیان کریں تو مقصود کتاب ہی فوت ہو جائے گا۔

مقدمہ رابعہ

یہ تاویل جس کا ضعف ظاہر کرنے کے لیے یہ طویل گفتگو کی، یعنی "اتقی" کو "تقی" کے معنی میں لینا، یہ ابو عبیدہ سے مروی ہے، مدارک میں اس کی صراحت ہے اور ابو عبیدہ کا حال یہ ہے کہ یہ خارجی، زبان دراز اور علما کا بدگو تھا۔ اس کا نام معمر بن مثنیٰ تھا۔

اس کے ایک شاگرد ابو عبید تھے، کنیت میں تقریباً یکسانیت تھی، ان کا نام قاسم بن سلام تھا۔ حدیث و فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور عالم ربانی تھے۔

استاذ و شاگرد کے درمیان امتیاز نہ رکھنے والے لوگ غالباً عدم امتیاز کے باعث اس بلا میں پڑے اور بلا جھجک استاذ کی روایات بھی تفسیروں میں نقل کر دیں۔

مقدمہ خامسہ:

تفضیلی گروہ اس بات پر خوش ہے کہ بعض مفسرین نے "اتقی" کو "تقی" کے معنی پر اس لیے محمول کیا کہ صدیق اکبر کی صحابہ کرام پر افضلیت نہ ثابت ہو۔ حالانکہ ایسا ہرگز

نہیں۔ابوعبیدہ جو اس ظاہری معنی سے پھیرنے والا ہے وہ خود بیان کرتا ہے کہ جس طرح یہاں ہے اسی طرح ''اشقی'' بھی بمعنی ''شقی'' ہے۔لہٰذا ''اتقی'' سے مراد مومن اور ''اشقی'' سے مراد کافر۔وجہ اس کی یہ بیان کرتا ہے کہ آگ میں جانا فقط بڑے شقی کے ساتھ خاص نہیں،اسی طرح نجات پانا بڑے متقی کا خاصہ نہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ ''اتقی'' کو ظاہری معنی سے پھیرنا ابوعبیدہ کے نزدیک اس کے اپنے خیال میں ایک ضرورت تھی اور وہ یہ کہ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ''اشقی'' بھی اپنے ظاہری معنی پر رہے گا اور جہنم میں محض ''اشقی'' سب سے بڑا شقی ہی جائے گا،جب کہ یہ تمام اشقیا کے لیے ہے۔

خلاصہ کلام

''اشقی'' کے بارے میں ظاہری معنی کا لحاظ کیا جائے (تو وہ خرابی جو ابوعبیدہ نے بیان کی) اس کے پیش نظر بہت سے مفسرین نے بھی فقط ''اشقی'' کے سلسلہ میں یہ توجیہ بیان کی ہے اور اس کے ظاہری معنی سے پھیرا ہے۔

لہٰذا واحدی،رازی،قاضی،محلی اور ابوسعود وغیرہم نے بیان کیا کہ......

''اشقی'' سے کوئی خاص شخص مراد نہیں۔بلکہ مراد یہ ہے جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور یہ حال تمام کفار کا ہے اس کے برخلاف مومن۔تو اس میں ایک پہلو شقاوت کا بھی ہے اگر فاجر ہو،مگر یہ شقاوت فانی اور زائل ہو جانے والی ہے۔یہاں لزوم نہیں جو ''یصلی'' سے سمجھا جا رہا ہے۔

اس کے بعد قاضی ابوبکر باقلانی کی توجیہ بیان فرمائی:

وہ یہ ہے کہ ''اشقی'' بھی یہاں اپنے حقیقی معنی پر ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔

وجہ اول یہ ہے کہ (ناراً تلظی) سے دوزخ کی کوئی خاص آگ مراد ہو،کیوں کہ دوزخ کے مختلف طبقے ہیں۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ اگرچہ اس سے تمام دوزخیں مراد ہیں مگر ''اشقی'' دوزخ کا زیادہ مستحق ہے گویا دوزخ اسی کے لیے بنی ہے۔

پھر فرمایا کہ امام نسفی نے بھی زمخشری سے اسی کے قریب قریب توجیہ نقل فرمائی:

وہ یہ کہ آیت مومنین و مشرکین کے دو بڑے شخصوں کی دو حالتوں میں موازنہ کے طور پر وارد ہوئی اور ان کی دو متضاد صفتوں میں مبالغہ مقصود ہے۔لہٰذا ایک بدبخت اور ہٹ دھرم کافر کے لیے ''اشقی'' فرمایا اور جہنم کی آگ میں جانے کے لیے اسے خاص کیا،گویا جہنم کی آگ اسی کے لیے پیدا ہوئی ہے اور ایک خوش نصیب مومن کامل کے لیے ''اتقی'' فرمایا اور نجات اس کے لیے خاص فرمائی،گویا جنت انہی کے لیے بنائی گئی ہے۔

یہ توجیہ نقل فرمانے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ لکھتے ہیں:

اقول: یہی وہ حصر ادعائی ہے جس کا بیان ہم نے تم سے کیا۔بلاشبہ یہ طریقہ فصحا کے درمیان دائر و سائر ہے۔

یہاں اولاً قاضی باقلانی کی وجہ اول پر بحث کے گوشوں کو اجاگر کیا اور پھر جواب بھی دیا ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ امام رازی اس بات پر راضی نہیں،وہ لکھتے ہیں کہ (ناراً تلظی) دوزخ کی کسی خاص آگ کی صفت نہیں،بلکہ یہ تو دوزخ کی ہر آگ کی صفت ہے۔

لہٰذا دوسری آیت میں فرمایا: (وانہا لظی،نزاعۃ للشوی)

اس پر فرماتے ہیں:

اقول: اس عبارت سے اعتراض کی دو جہتیں نظر آتی ہیں:

پہلی جہت یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کرلیا کہ قاضی صاحب نار کے لیے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں۔ مگر ایسا نہیں، بلکہ انھوں نے ''ناراً'' کی تنکیر سے تعظیم کا استفادہ کرتے ہوئے یہ معنی بیان کیے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے تنکیر برائے تعظیم کی وضاحت میں قرآنی آیات سے ثبوت دیا ہے۔

دوسری جہت یہ ہے کہ معترض شاید یہ بتانا چاہتا ہے کہ (تلظی) یعنی لپٹ مارنا، بھڑکنا، یہ تو ہر آگ کی صفت ہے۔

فرماتے ہیں: اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ کسی جنس کے عظیم فرد کی ایسی صفت بیان کرنا جو تمام افراد میں پائی جاتی ہو ممتنع نہیں۔ البتہ اس کا عکس ضرور ممتنع ہے۔ دیکھو آیت کریمہ: (وما محمد الا رسول) میں وصف رسالت سے حضور کی عظمت شان کو بیان فرمایا، حالانکہ اس وصف میں تمام رسول شریک ہیں۔

دوسری بات یہاں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ (تلظی) یعنی ''بھڑکنا'' کلی مشکک ہے، لہٰذا کوئی خاص (تلظی) مراد لینا بھی جائز ہوگا۔ پھر اس کو بھی چند آیات کے ذریعہ واضح فرمایا اور امام رازی نے اسی معنی کو اختیار کرنے کی نشان دہی بھی فرمائی کہ وہ خود (نارٌ حامیہ) میں تنوین کو تعظیم کے لیے قرار دیتے ہیں اور پھر پر لطف مثل بیان فرمائی کہ: ''فما للشعیر یؤکل ویذم'' (یہ کیا بات ہوئی کہ جو کھایا بھی جائے اور مذموم بھی قرار دیا جائے)

اس کے بعد قاضی صاحب کی تائید اور امام رازی کی تردید میں خود ایک توجیہ یوں ارشاد فرمائی:

اقول: ''لظی'' مجرد اور ''تلظی'' مزید فیہ ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دال۔ ساتھ ہی مشدد ہے جس سے شدت کے معنی مفہوم ہو رہے ہیں، مزید یہ کہ ادعائے حصر کا باب کشادہ ہے۔

ان تمام اعتبارات پر قرآنی آیات سے شہادتیں موجود ہیں۔

امام قاضی باقلانی کی دوسری وجہ کے تعلق سے بیان فرماتے ہیں کہ: بات ''اشقی'' کے تعلق سے تھی، کیوں کہ اس میں توجیہ کی ضرورت تھی، مگر ابوعبیدہ نے شطرنج میں خچر کا اضافہ کر دیا۔ یعنی بالکل بے بنیاد اور بے تکی بات کہہ ڈالی۔ پھر متاخرین اس کو نقل کرتے گئے۔ لیکن امام رازی اس کی خرابی جانتے تھے، لہٰذا انھوں ''اشقی'' کے سلسلہ میں تو ایک قول نقل کیا کہ یہ شقی کے معنی میں ہے۔ مگر ''اتقی'' کے بارے میں کسی قول کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ بلکہ صراحت فرمادی کہ یہ آیت غیر اتقی کے حال پر کچھ بھی دلالت نہیں کرتی۔ ہاں مفہوم مخالف سے کوئی استدلال کرے تو دوسری بات ہے۔

اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہ بات تو مفہوم صفت ماننے والوں کے مذہب پر بھی درست نہیں کہ مقام مدح وذم میں انکے یہاں بھی اس کا اعتبار نہیں۔ پھر قاضی بیضاوی پر تعجب ہے کہ انھوں نے مفہوم صفت سے کیسے استدلال کرلیا کہ یہ تو بالاتفاق اس کا مقام نہیں اور ان سے زیادہ تعجب امام باقلانی پر کہ انھوں نے حصر پر محمول فرمادیا، حالاں کہ وہ مفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل خلاف ہیں۔

اصل بات وہی ہے جو ہم نے شروع میں کہہ دی تھی کہ عصمت اللہ تعالیٰ کو اپنے اور اپنے حبیب کے کلام میں مقصود ہے اور بس۔

اس کے بعد ابوعبیدہ کا واضح انداز میں رد و ابطال ہے، فرماتے ہیں: تم نے آیت (ولا یصلھا الا الاشقی الذی کذب و تولی) میں موصوف ''الاشقی'' کو تو دیکھا مگر صفت (کذب و تولی) کو نظر انداز کر دیا۔

واضح رہے کہ کفار میں وہ بھی ہیں جنھوں نے زندگی بھر حضور کو نہ دل سے جھٹلایا اور نہ زبان سے۔ اس کا کفر تو یوں ہوا کہ نوشتۂ تقدیر غالب آیا اور توفیق ربانی نے ساتھ نہ دیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ ہیں ابو طالب، جو محبت و نصرت اور حمایت میں آخری حد تک گئے اور اپنے بچوں پر بھی آپ کو ترجیح دی اور ایک قصیدہ تقریباً سو اشعار پر مشتمل لکھا۔ (یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے) پندرہ اشعار سیدنا اعلیٰ حضرت نے یہاں بھی نقل کیے اور پوری تفصیل بیان فرما کر تحریر فرمایا: جب بات یوں ہے تو حصر شقی مکذب میں درست نہیں۔

اس کے بعد (الاتقی) پر الف لام کے سلسلہ میں بات اٹھائی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر عہد کے لیے نہ ہوا تو پھر استغراق کے لیے ہوگا اور یہ بخوبی معلوم ہے کہ بعض مومن جہنم کی آگ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے تو اب استغراق بھی نہ رہا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ٹھیک ہے آپ کی توجیہات کی بنا پر آپ کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر یہ بتاؤ کہ کیا ''اتقی'' یہاں پر عام ہے؟ یہ آپ کی بڑی غفلت ہے کہ آپ نے اس کو عام سمجھا، یہاں تو اس کا ایک وصف خاص (الذی یوتی مالہ یتزکی) بھی بیان ہو رہا ہے، اسی طرح ''اشقی'' کی صفت بھی آپ فراموش کر بیٹھے۔

لہٰذا سیدھی راہ یہی ہے کہ ''اتقی و اشقی'' دونوں یا کم از کم ''اتقی'' کو ضرور اس کے ظاہری معنی پر رکھو۔

اس کے بعد مباحث جلیلہ بیان فرماتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ:

اتقی کو تقی کے معنی میں لینے والوں کو چند طرح جواب دے سکتے ہو۔

وجہ اول: ظاہر لفظ کا تحفظ ضروری ہے۔

وجہ دوم: جس نے تاویل کی اس کو پاپڑ بیلنا پڑے اور فائدہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔

وجہ سوم: مان لیا کہ دونوں معنی درست، مگر ہم نے جو معنی بیان کیے وہی زیادہ واضح اور ظاہر ہیں اور دونوں میں کوئی تنافی نہیں، تو جس سے تفضیل کا ثبوت ہو رہا ہے اس کا قبول کرنا ضروری و لازم۔ اس لیے کہ ہمارے علمائے کرام نے ہمیشہ اس آیت کو سیدنا صدیق اکبر کی افضلیت کے لیے پیش کیا۔ پھر ان سب کے مقابلہ میں ابوعبیدہ کے کلام کی کیا حقیقت۔

باب دوم

شبہہ ثانیہ:

اتقی بمعنی تقی ہے ورنہ صدیق اکبر کی فضیلت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لازم آئے گی۔ یہ شبہہ استاذ استاذی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر ''فتح العزیز'' میں نقل فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ: اگر یہ اپنے عموم و اطلاق پر رہا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی شامل ہوگا، پھر تو سرکار پر بھی حضرت صدیق کی فضیلت لازم آئے گی۔

حضرت محدث دہلوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ اسم تفضیل کو صفت مشبہ یا اسم فاعل کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے، لہٰذا درست نہیں اور سرکار تخصیص عرفی کی بنا پر خاص کر لیے گئے ہیں، لہٰذا مراد نہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس کو تسلیم نہ کر کے دو طرح سے جواب دیا:

اولاً: یہ کہ صیغہ اسم تفضیل صفت کے معنی میں خود قرآن میں وارد ہوا جیسے: (هو الله الذی یبدؤ الخلق ثم یعیده وهو أهون علیه) یہاں (أهون) بمعنی "هین" ہے۔

اسی طرح اور آیات بھی ہیں مگر یہ اسی وقت مانا جاتا ہے جب کوئی ضرورت داعی ہو۔

ثانیاً: اسی طرح شاہ صاحب نے جو تخصیص عرفی کی بات کہی اس سے تو یہ لازم آیا کہ مخالف کا دعویٰ تسلیم کر لیا۔ کیوں کہ تخصیص پہلے تعمیم کو چاہتی ہے اور مخالف نے اسی کا سہارا لے کر "اتقی" کو تقی کے معنی میں لیا تھا۔

لہٰذا حق بات یہ ہے کہ نہ یہاں عموم ہے اور نہ تخصیص، بلکہ یہاں ایک نہایت لطیف بات ہے، تلخیص مقام یہ ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طرح ہوتا ہے، جب اضافت اور "من" کے ساتھ ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے اور الف لام کے ذریعہ استعمال میں غیر مذکور مگر معہود اور متعین، اس لیے کہ مفضل کی تعیین بغیر مفضل علیہ ہوتی ہی نہیں۔ لہٰذا مفضل کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب تعیین صراحۃً نہیں تو حکماً ہوگی۔

اب غور کرو کہ شریعت میں بعض امتیوں کی بعض پر تفضیل تو معہود و موجود ہے مگر بعض امت کی حضرات انبیا علیہم الصلاۃ والسلام پر تفضیل شریعت میں معہود ہی نہیں،

لہٰذا امتی کی تفضیل نبی پر نہ متکلم کا مقصود اور نہ سامع کو مفہوم ہوگی۔ اس لیے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ایسے مقام پر داخل ہی نہیں، تو پھر تخصیص کی کیا حاجت۔

بعض حضرات کی طرف سے دیگر جوابات بھی دیے گئے ہیں مگر ان سب کو اعلیٰ حضرت نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

پھر احادیث اور دیگر دلائل سے صدیق اکبر کی افضلیت کو ثابت فرمایا ہے۔

باب سوم

شبہہ ثالثہ:

تفضیلی گروہ منطقی نہج پر صغریٰ و کبریٰ ترتیب دے کر اہل سنت کے استدلال کو باطل قرار دیتا ہے، شبہہ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

(وسیجنبها الاتقی) کا مفاد اہل سنت بتاتے ہیں کہ "صدیق اتقی ہیں" یہ صغریٰ ہوا اور (ان أکرمکم عند الله أتقکم) کا مفاد "ہر اکرم اتقی ہے" یہ کبریٰ ہے، لہٰذا صدیق اکرم و افضل ہیں۔ اب اگر اس کو شکل اول قرار دیں تو درست نہیں، کیوں کہ حد اوسط صغریٰ و کبریٰ دونوں میں محمول۔ اگر شکل ثانی کہیں جب بھی غلط کہ کیف میں اختلاف نہیں۔

اور اگر کبریٰ کا عکس کر کے شکل اول بنانا چاہیں تو بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ عکس موجبہ جزئیہ آئے گا اور شکل اول میں کبریٰ کا کلیہ ہونا لازم ہے۔ اس لیے تفضیلیہ کا کہنا ہے کہ دونوں آیتوں کا مفاد نہ ہمیں مضر اور نہ تمہیں مفید۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: یہ وہی شبہہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی تھی کہ ایک تفضیلی نے ہمارے کسی عالم کے سامنے اس کو پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں: اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں، پھر بھی مخالفین کی طرف سے پیش ہوا ہے لہٰذا ہم اس کو بارہ طریقوں سے جواب دے سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شافی وکافی ہے۔

پہلی وجہ

اگر معترض کو قرآن وحدیث اور علمائے کرام کے اقوال سمجھنے کی لیاقت ہوتی تو وہ الٹی بات نہ کہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ”اکرم“ یہاں موضوع نہیں محمول ہے اور ”اتقی“ موضوع۔ یعنی (ان أکرمکم عند اللہ اتقکم) میں خبر مقدم اور مبتدا مؤخر ہے۔ دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

اول: زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ گمان تھا کہ جو نسب میں بہتر وہی افضل۔ اسلام نے اس کو رد فرما دیا اور یہ آیت: (ان أکرمکم عند اللہ أتقکم) نازل ہوئی۔ لہٰذا اختلاف اس میں ہوا کہ افضل کون؟ اس میں نہیں کہ افضل کا معنی کیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہوا کہ سائل سب سے مزے دار کھانے کو پوچھے اور کوئی یوں جواب دے ”الحامض الذ“ اس کا تم رد کرتے ہوئے کہو: ”الذھا احلاھا“۔ یہاں بظاہر ترکیب نحوی میں ”الذ“ مبتدا اور ”أحلی“ خبر ہے مگر مراد برعکس ہے یعنی ”الأحلی ھو الألذ“ تو اب درحقیقت ”احلی“ مبتدا ہوا اور ”الذ“ خبر۔

تو آیت میں ”اتقی“ ”احلی“ کی طرح ہے کہ دونوں سے ذات مقصود ہے، جو محکم علیہ ہے اور ”اکرم“ بمعنی افضل کا ”اتقی“ پر حکم ہے، جیسے: ”الذ“ کا ”احلی“ پر۔

مفسرین نے بھی آیت کا یہی مطلب سمجھا، لہٰذا زمخشری اور امام نسفی وغیرہما نے یہی بیان کیا۔

دوم: قرآن محسوسات کو بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا، اس کا نزول بندوں کو ان احکام سے باخبر کرنے کے لیے ہوا جن کو بندے از خود نہیں جان سکتے، جیسے نجات وہلاکت، مردود ومقبول، مغضوب ومرضی۔

لہٰذا پرہیزگاری وبدکاری کا علم تو حس سے ہو جاتا ہے، مگر اکرم وافضل ہونا رب کے بتائے بغیر نہیں معلوم ہوتا۔ اب ”اکرم“ کو موضوع اور محکوم علیہ بنانا گویا قلب موضوع ہے۔

اعلیٰ حضرت یہ بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ وجہ فوری طور پر میرے ذہن میں آئی تھی، پھر میں نے اس کی تائید امام رازی کی تفسیر میں پائی۔ مگر دونوں جوابوں میں جو فرق ہے کتاب کی تفصیلات میں ملاحظہ کریں۔

پھر سوال قائم کر کے جواب دیا کہ شاید تم تقویٰ کے بارے میں کہو کہ یہ توصفت قلب ہے پھر اس کو آپ نے محسوس کیسے کہہ دیا؟

جواب دیا: بے شک تقویٰ کا مقام قلب ہے اور اسی سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ صدیق اکبر سب سے بڑے متقی تو سب سے بڑے عارف باللہ بھی ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اس کے آثار اعضا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ تو یہ محسوسات سے بایں معنی ہیں۔

سوم: آیت (سیجنبھا الاتقی ......) کا جو شان نزول بیان ہوا اس کے مطابق آیت کے معنی اسی وقت درست ہوں گے جب کہ ”اتقی“ کو موضوع قرار دیں۔ مثلاً: حضور نے سیاہ فام غلام کی عیادت کی اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔ لوگوں نے اس غلام کو حقیر جانا تھا۔ ارشاد ہوا: وہ ہمارے نزدیک کریم وبزرگ ہے کیوں کہ وہ متقی تھا۔

اور تفضیلی کے یہاں جو معنی گمان کیے گئے وہ اس طرح ہوں گے۔ وہ بزرگ تھا

اور ہر بزرگ متقی، لہٰذا حضور نے اس کی عیادت کی۔

اس معنی میں جو نقص اور خرابی ہے وہ ادنیٰ فہم والے پر بھی روشن، کیوں کہ غلام کو بزرگی تو ان کے نزدیک حاصل ہی نہیں تھی، ورنہ اعتراض ہی نہ کرتے۔ لہٰذا انزاع تقویٰ کے بارے میں نہیں بلکہ بزرگی کے بارے میں تھا۔

چہارم: حضرت بلال کے بارے میں کفار کا استدلال یوں تھا:

صغریٰ: بلال غلام ہیں۔

کبریٰ: کوئی غلام عزت والا نہیں۔

نتیجہ: بلال عزت والے نہیں۔

آیت ان کے رد میں نازل ہوئی، تو رد اسی وقت ہوگا جب دونوں مقدموں میں سے کسی پر نقض وارد ہو۔ صغریٰ تو متفق علیہ ہے، لہٰذا کبریٰ پر نقض وارد کرنے کے لیے آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ کبریٰ کاذب ہے، اس لیے کہ اس کی نقیض ''بعض غلام باعزت ہیں'' ثابت ہے۔ اس نقیض کا اثبات ہمارے ہی طریقے پر ہوسکتا ہے، یعنی:

بعض غلام متقی ہیں۔

جو متقی ہے وہی اکرم ہے۔

لہٰذا بعض غلام اکرم ہیں۔

اور اے تفضیلیو! تمہارے طریقے پر یوں ہوگا:

بعض غلام متقی ہیں۔

ہر اکرم متقی ہے۔

دیکھو! یہ وہی قیاس ہے جس پر تمہارا اعتراض تھا کہ حد اوسط دونوں جگہ محمول ہے۔ تو نہ یہ شکل اول ہوسکتی ہے اور نہ شکل ثانی کہ کیف میں اختلاف نہیں۔

پنجم: حضرت ثابت بن قیس نے ''فلانی کے بیٹے'' کہہ کر تحقیر کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا، یعنی یہ کہنا باطل کہ ''کوئی بھی کم تر نسب کریم نہیں'' اس لیے کہ اگر یہ صادق تو شکل اول کی ترتیب پر ''بعض متقی کریم نہیں'' بھی صادق ہوگا۔ کیوں کہ اب ترتیب شکل یوں ہوگی ''بعض متقی نسب میں کم تر ہیں۔ کوئی کم تر نسب کریم نہیں'' نتیجہ نکلا: بعض متقی کریم نہیں۔ یہ تمہارے نزدیک صادق ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اس کی نقیض ''ہر متقی کریم ہے'' صادق ہے۔

دراصل یہ قیاس استثنائی ہوا جس میں ایک قضیہ شرطیہ ذکر کرکے اس کے مقدم یا تالی کا استثنا کیا جاتا ہے، اگر وہ شرطیہ متصلہ ہو تو نتیجہ وضع مقدم سے وضع تالی ہوگا اور رفع تالی سے رفع مقدم۔ جیسے: لو كانت الشمس طالعة لكان النهار موجوداً، لكن الشمس طالعة، فالنهار موجود (یہ وضع مقدم سے وضع تالی ہے) یا کہا جائے: لكن النهار ليس بموجود، فالشمس ليست باطلعة (یہ رفع تالی سے رفع مقدم ہے)۔

درج بالا کلام میں قیاس استثنائی کی ترتیب یوں ہوئی: لو صدق "ليس أحد من دنى النسب بكريم" لصدق قولنا: "بعض المتقى ليس بكريم" (للقياس المطوى المذكور) لكن التالى (أى بعض المتقى ليس بكريم) باطل لصدق نقيضه "كل متق كريم" فالمقدم (أى ليس أحد من دنى النسب بكريم) مثله (أى

باطل)۔

اگر تمہارے طریقہ پر کہا جائے تو مقدمہ استثنائیہ یہ ہوگا کہ "ہر کریم متقی ہے" اس سے لازم (بعض متقی شریف نہیں) رفع نہیں ہوتا تو ملزوم (کوئی کم تر نسب والا کریم نہیں) بھی رفع نہ ہوگا، اس لیے کہ "بعض المتقی لیس بکریم" کی نقیض "کل کریم متق" نہیں، تو اس سے تالی کا ابطال نہ ہو سکے گا اور مقدم اپنی جگہ رہ جائے گا۔

ششم، وہ احادیث جو آیت کی تفسیر میں آئیں، یا اس نہج پر وارد ہوئیں، یا اس کے شواہد و امثال کے طور پر مروی ہوئیں، وہ ہمارا مقصد ثابت کرتی ہیں، اور تمہارے مذہب کو باطل ٹھہراتی ہیں۔

یہاں اعلیٰ حضرت نے اپنی طویل اور مکمل سند سے متعدد روایات بیان کی ہیں، جیسے حضور سے پوچھا گیا: افضل کون ہے؟ فرمایا: افضل وہ جو تقی ہے۔ دوسری روایت میں فتح مکہ کے دن خطبہ دیا، اس میں بیان فرمایا: آدمی دو طرح کے ہیں: ایک متقی اللہ تعالیٰ کے یہاں اکرم۔ دوسرا بدکار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل۔

دیکھو! حضور نے دو قسمیں بیان فرما کر ایک کو فضیلت اور دوسرے کو ذلت سے متصف قرار دیا۔ تیسری حدیث میں حضور نے دعا کی اے اللہ! تقویٰ کے ذریعہ عزت عطا فرما۔ چوتھی حدیث میں: جو اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت چاہے وہ اللہ سے ڈرے۔ یہ احادیث ہمارے دعوے یعنی "اتقی" کے موضوع ہونے پر روشن دلائل ہیں۔

ہفتم: یہ قضیہ کہ "ہر کریم انسان، حیوان اور جسم ہے" کیا ان تینوں اوصاف کی بنیاد پر تم کہہ سکتے ہو کہ کریم میں کوئی دینی خوبی نکلی اور اگر معترض یہ کہنے لگے کہ تقویٰ ایسا وصف ہے جو عزت و فضیلت والوں کے ساتھ خاص ہے اور آپ کے ذکر کردہ اوصاف ایسے

نہیں۔ تو ہم جواب میں کہیں گے: ہاں اب تم وہیں آ گئے جہاں سے راہ فرار اختیار کی تھی۔ لہٰذا اب "ہر متقی کریم ہے" کہنا درست ہوگا، یہی تو ہمارا مقصد تھا۔

ہشتم: ان احادیث کو دیکھو: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

آدمی کی عزت اس کا دین ہے۔ اس کی مروت اس کی عقل ہے۔ اس کا حسب اس کا خلق ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

عزت، پرہیزگاری ہے۔ شرافت، خاکساری ہے۔ حیاء، زینت ہے۔ تقویٰ، کرم ہے۔

ان احادیث میں غور کرو، مثلاً: حضور نے عقل ہی کو مروت سے موصوف قرار دیا۔ مروت کو عقل سے نہیں۔ اسی طرح آپ کا خلق پر حسب کا حکم لگانا۔ خاکساری پر شرافت کا۔ تقویٰ پر کرم کا۔

اس مقام پر ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: وہ یہ کہ کہیں دو اسم معرف باللام ہوں اور ان میں ایک دوسرے پر محمول ہو۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ دوسرا اسم بغیر الف لام پہلے کا محمول ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ اس قضیہ میں بھی محمول ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ راز یہ ہے کہ محمول کا نکرہ لانا ہمیشہ جائز اور موضوع کو کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا۔ اسی لیے تو "الکرم تقویٰ" یا "الکرم دین" کہنا جائز نہیں۔ ہاں اس کے برعکس "التقوی کرم الدین کرم" درست ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی نکتے کے پیش نظر جب "تقویٰ" کو مقدم فرمایا تو "کرم" کو نکرہ ذکر فرمایا اور جب مؤخر فرمایا تو "الکرم" معرف باللام ارشاد فرمایا۔

نہم: اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ سب سے عظیم وہ ہے جو سب سے بڑا متقی۔ پھر وہ جو تقویٰ میں اس سے کم۔ پھر وہ جو اس سے کم الی آخرہ تو یہ تم اور ہر کوئی اس کو تسلیم کرے گا۔

اس کے برخلاف اگر کوئی کہے: اکرم سب سے بڑا متقی ہے۔ پھر وہ جو تقویٰ میں کم ہے۔ پھر وہ جو اس سے کم ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ ”اکرم“ تنہا کبھی بڑا متقی ہوتا ہے اور یہی کبھی چھوٹا اور کبھی اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے، حالانکہ ایسا ہوگا تو پھر اکرم ہی کب رہے گا۔ تفضیلی کا یہ قول پاگل کی بڑ ہے کہ بولتا ہے اور سمجھتا نہیں۔

اگر تفضیلی کی بات مان لی جائے تو پھر احادیث کے معانی میں خلل اور خرابی لازم آئے گی۔ مثلاً: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

سب سے پیاری چیز وہ نماز ہے جو وقت پر ادا کی جائے۔ پھر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، پھر جہاد۔

اگر تفضیلی کے گمان کے مطابق ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے نماز سے متصف ہوتا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد حسن سلوک ہو جاتا ہے۔ پھر کچھ لمحے بعد جہاد ہو جاتا ہے۔ ایسی تعجب خیز بات تو کسی نے نہ سنی ہوگی۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ خبر کی تقدیم ایسے مقامات پر شائع و ذائع ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس موضوع پر سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔ بعض ملاحظہ کیجیے:

ان میں پہلی حدیث بالکل اسی نہج پر دو مقدمے اپنے اندر لیے ہوئے ہے جن

سے علمائے کرام نے ایک نتیجہ اخذ کیا جیسے ہم نے دونوں آیتوں سے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔ علامہ مناوی نے اس کا نتیجہ بیان کیا تو میں مطلقاً تم سے بہتر ہوں۔

کیا تفضیلی اس قیاس اور ہمارے مرتب کردہ قیاس میں کوئی فرق نکال سکتا ہے۔

(۲) اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک اور پارسا عورتیں ہیں۔

(۳) ساتھیوں میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو۔

(۴) پڑوسیوں میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے۔

(۵) سب سے بہتر ذکر پوشیدہ ذکر ہے۔

(۶) سب سے زیادہ فضیلت والا صدقہ وہ ہے جو پوشیدہ طور پر فقیر کو دیا جائے۔

(۷) بے شک قربانی کے جانوروں میں سب سے زیادہ فضیلت والا سب سے قیمتی اور سب سے فربہ ہے۔

(۸) بے شک سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی ہو۔

(۹) لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا

جھوٹا ہو۔

(۱۰) لوگوں میں سب سے زیادہ گناہوں والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں لایعنی باتیں کی ہوں گی۔

(۱۱) بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب قیامت کے دن وہ ہوگا جس نے مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔

ان سب احادیث میں مبتدا مؤخر اور خبر مقدم ہے۔

پھر ایک حدیث یوں بھی آئی ہے:

جو شخص امتیوں میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پاک پڑھے گا وہ مجھ سے درجہ میں زیادہ قریب ہوگا۔ اس میں مبتدا مقدم اور خبر مؤخر ہے۔

معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی کوئی پروا نہیں کی جاتی کہ یہاں التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔ وجہ وہی ہے جو پہلے ذکر ہوئی کہ یہ احکام شرعیہ ہیں۔ اللہ و رسول کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوتے، لہٰذا یہی اس لائق ہیں کہ ان کو محمول قرار دیا جائے۔ نیز ذہن اسی طرف سبقت کرتا ہے خواہ آپ مقدم کریں یا مؤخر۔

اس مقام پر ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے: نحویوں کا قاعدہ ہے کے جب مبتدا و خبر معرفہ ہوں یا دونوں مساوی ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے۔ تو واضح رہے کہ یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔ مزید یہ کہ التباس کا اندیشہ ہو تو یہ حکم ہوگا ورنہ نہیں اور متون میں اس قاعدہ کا علی الاطلاق ہونا کوئی مضر نہیں کہ آخر شروح و حواشی اسی لیے معرض تحریر میں آئے اور اساتذہ کی ضرورت یوں ہی درپیش ہوئی۔ فقہ کی کتابیں ایسے علی الاطلاق مسائل سے لبریز ہیں۔ اب جس نے خطا کی اس نے کی اور جو راہ راست پر گامزن ہوا مراد کو پہنچا۔

آخر میں بیان فرماتے ہیں کہ معترض اپنے اعتراض سے باز آیا، مگر اب یہ پوچھتا ہے کہ خبر کی تقدیم میں جو نکتہ ہے وہ تو بتایے۔ جواب میں فرماتے ہیں: اس میں انوکھے نکتے ہیں:

اول: خبر پوشیدہ اور مبتدا کا ادراک ظاہر و باہر ہو تو گویا خبر معرف ہے اور مبتدا تعریف اور تعریف بلاشبہہ موخر ہوتی ہے۔

دوم: قلب انجانی چیز کی طرف لپکتے ہیں، لہٰذا جب ان کے کانوں میں پوشیدہ چیز پڑے گی اور امید ہوگی کہ اب اس چیز کا بیان ہونے والا ہے جس سے اس کی پوشیدگی دور ہو جائے گی تو کان لگا کر متوجہ رہے گا اور سنتے ہی بات دل میں جم جائے گی۔

سوم: شریعت میں مقصود اعمال کے ثمرات و نتائج ہیں اور مقاصد کا یہ حق ہے کہ مقدم ہوں۔

دہم: وجہ دوم: یہ ان تین اصل الاصول وجوہ کی دوسری ہے جو بارہ طریقے بتائے تھے۔ لہٰذا اس کی وجہ دوم فرمایا۔

بالفرض ہم مان لیں کہ ''اکرم'' موضوع ہے ''اتقی'' محمول۔ پھر بھی تم غور کرو کہ یہ دونوں اسم تفضیل ہیں۔ لہٰذا دونوں کا مصداق ایک ہی ذات ہوگی۔ تعدد ممکن ہی نہیں، تو دونوں متحد۔ اب جس کو چاہو موضوع بناؤ اور جس کو چاہو محمول۔ ذات ایک ہی رہی۔ اس کی بے شمار نظیریں ہیں، یہاں آپ نے سترہ شمار کرائیں۔ جیسے:

سب نبیوں میں افضل وہ ہیں جو سب سے پہلے پیدا کیے گئے۔

سب رسولوں سے افضل وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے۔

سب سے اونچا آسمان حجم میں سب سے بڑا ہے۔

سب سے خاص کلی سب سے کم افراد والی ہے۔

سب سے پہلے داخل ہونے والا سب سے بعد نکلنے والا ہے۔

واضح رہے کہ کسی قضیہ میں دو اسم تفضیل اپنے حقیقی معنی پر مشتمل مضاف ہوں اور دونوں کا مضاف الیہ ہو پھر ایک کو موضوع اور دوسرے کو محمول بنایا جائے تو ان شرائط کی جامع کوئی ایسی مثال نہیں دکھائی جا سکتی جس میں عکس درست نہ ہو۔لہٰذا مذکورہ بالا مثالوں میں موجبہ کلیہ کا عکس بہرحال موجبہ کلیہ ہی آئے گا اور ہم زیر بحث مسئلہ میں قیاس مرتب کر کے اپنا مدعا حاصل کرلیں گے۔یعنی:

شکل اول: ابوبکر صدیق اتقی ہیں۔ہر اتقی اکرم ہے۔

نتیجہ: ابوبکر صدیق اکرم ہیں۔

یہاں ”ہر اتقی اکرم ہے“ صادق ہے۔اس لیے کہ اس کا عکس ”ہر اکرم اتقی ہے“ صادق ہوسکتا ہے۔معترض اگر کہہ دے کہ موجبہ کا عکس جزئیہ آتا ہے، یہاں آپ نے کلیہ بیان کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مناطقہ نے یہ اصول اس لیے بنایا تھا کہ کبھی محمول عام ہو تو کلیہ صادق نہ ہو سکے گا،لہٰذا جزئیہ قرار دیا اور ہماری بحث میں محمول عام نہیں بلکہ مساوی ہے۔نیز مناطقہ نے یہ کب کہا ہے کہ کلیہ نہیں آسکتا۔

آخر میں فلسفی کو تنبیہ کر رہے ہیں کہ اے فلسفی! اب تو تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا، لہٰذا اب تو اپنے وسوسوں کو روک اور مغالطوں سے باز آجا۔

وجہ سوم: تمام باتوں سے قطع نظر ہم نے مان لیا کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ ”ہر اکرم اتقی ہے“ اور اس کا عکس نقیض یوں ہے کہ ”جو اتقی نہیں اکرم نہیں“ مگر یہ یاد رہے کہ ہم نے تحقیق سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ (وسیجنبھا الاتقی) میں ”اتقی“ سے مراد وہ

ہیں جو تمام صحابہ سے اتقی ہوں یعنی صدیق اکبر۔اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ تقویٰ میں کوئی ان کے برابر نہیں۔لہٰذا اب قیاس کی ترتیب یوں ہوگی۔

صغریٰ: کل صحابی فھو لیس بأتقی من أبی بکر

کبریٰ: ومن لیس بأتقی منه لیس بأکرم منه

نتیجہ: کل صحابی فھو لیس بأکرم من أبی بکر

یہاں دعویٰ ایک قیاس استثنائی سے بھی ثابت ہوسکتا ہے جس میں رفع تالی کے سبب رفع مقدم ہو۔جیسے کہو:

صغریٰ: اگر امت میں کوئی صدیق اکبر سے اکرم ہوگا تو وہ ان سے اتقی بھی ہوگا۔

اس لیے کہ تم نے پہلے ہی طے کر رکھا ہے کہ ”ہر اکرم اتقی ہے“۔

کبریٰ: لیکن امت میں کوئی بھی صدیق اکبر سے اتقی نہیں۔

آیت ثانیہ اس پر گواہ ہے۔

نتیجہ: امت میں کوئی بھی صدیق اکبر سے اکرم نہیں۔

ان تمام مباحث کے بعد تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں:

میں امید کرتا ہوں کہ گزشتہ عبارات میں جو ایسے روشن معانی ہیں جن کی چمک اور روشنی گمراہی کے اندھیروں کو کافور کر رہی ہے اور ان میں ایسے پرنور مفاہیم ہیں جو شکوک وشبہات کی گھٹاؤں میں اجالے کا سامان فراہم کر رہے ہیں ان میں اکثر میری ہی کاوش کا نتیجہ ہیں اور میں نے ہی اپنی خداداد صلاحیت سے ان کو پردۂ خفا سے نکال کر صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔

خاتمہ

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین، علیہ التحیۃ والتسلیم

یہاں سیدنا اعلیٰ حضرت کے فرمان کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

ان تمام مباحث جلیلہ کے بعد نتیجہ کیا نکلا؟ کیا ہم صدیق اکبر کی افضلیت کو قطعی مان لیں؟ اگر قطعی مانیں تو سوال یہ ہے کہ کیا اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں؟

جواب یہ ہے کہ تم قطعی مانو، اس لیے کہ جب دو مقدمے قطعی ہوں تو ان کا نتیجہ بھی قطعی ہوتا ہے۔ پہلا مقدمہ تو بایں معنی قطعی ہے کہ اتقی سے مراد صدیق اکبر ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے جو قطعی ہے۔ دوسرا مقدمہ اس طرح کہ آیت اولیٰ مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں اور احتمال بلا دلیل قطعی کو قطعیت سے خارج نہیں کرتا۔ نیز یہاں یہ بھی واضح رہے کہ علم قطعی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اول: احتمال بالکل ختم ہو جائے اور اس کا نام ونشان نہ رہے۔ یہ قطعی بالمعنی الاخص ہے۔ یہ اس محکم ومفسر میں ہوتا ہے جو متواتر ہیں۔ اصول دین اور عقائد اسلام میں یہی مطلوب ہے۔

دوم: احتمال تو ہے مگر بلا دلیل ہے۔ جیسے: مجاز، تخصیص، یا تاویل کی دوسری قسمیں جو ظاہر اور نقص یا احادیث مشہورہ میں ہوتی ہیں۔ یہ قطعی بالمعنی الاعم ہے۔

اول کا نام علم الیقین ہے۔ اس کا منکر ومخالف کافر ہے۔

البتہ یہاں ایک اختلاف ہے، فقہا منکر کو علی الاطلاق کافر کہتے ہیں اور متکلمین اس میں ضروریات دین کی قید لگاتے ہیں۔

دوم کا نام علم طمانیت ہے، اس کا مخالف ومنکر بدعتی وگمراہ ہے۔

یہاں کافر کہنے کی گنجائش نہیں۔ جیسے: قیامت میں اعمال کا تولا جانا۔ دیدار الٰہی۔ آسمانوں کی بلندی تک معراج جسمانی۔

اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں: ظن بالمعنی الاخص۔ ظن بالمعنی الاعم۔

(ظنی اسے کہتے ہیں جس میں کوئی احتمال ہو۔ اگر احتمال کسی دلیل کی بنیاد پر ہے تو یہ ظنی بالاخص ہے اور بلا دلیل ہے تو ظنی بالاعم۔ اسی کو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ عام کا مقابل خاص اور خاص کا مقابل عام ہوتا ہے)

اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ مسئلہ تفضیل قطعی بالمعنی الاعم ہے اور ہم اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے، البتہ بدعتی وگمراہ ہیں اور جس نے یہ کہا کہ مسئلہ تفضیل میں نصوص متعارض ہیں لہٰذا استدلال ساقط۔ تو ایسا قول ساقط الاعتبار ہے اگر اس کی مراد تعارض حقیقی ہے۔ رہا تعارض صوری تو مسئلہ پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اب بات واضح ہوگئی کہ ہمارے ائمہ کرام میں بعض نے جو مسئلہ تفضیل کو قطعی کہا ہے اور ظنی کی نفی کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قطعی بالمعنی الاعم ہے جس سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے اور ظنی کی نفی سے ظنی بالمعنی الاخص کی نفی ہے۔ یعنی اس میں کوئی احتمال بالدلیل نہیں۔

اور جنھوں نے ظنی کہا اور قطعی کی نفی کی تو مطلب یہ ہے کہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں جس میں سرے سے احتمال ہی نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں اور ظنی سے مراد ظنی بالمعنی الاعم ہے، جس میں احتمال تو ہوتا ہے مگر بلا دلیل۔ لہٰذا یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

یہاں کسی کو یہ کھٹک ہو سکتی ہے کہ مسئلہ تو اعتقادی ہے پھر قطعی بالمعنی الاعم یعنی ظنی

بالمعنی الاعم پر اعتماد کیوں کر روا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ مسئلہ اصول اسلام سے نہیں۔ جیسے خلفائے راشدین کی خلافت۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہماری تحقیق کے ذریعہ بہت سے اقوال میں تطبیق ہوگئی، لہٰذا اس کو اختیار کرلو۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ کو قطعی فرمانے والوں میں سرفہرست امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں، آپ نے برسر منبر فرمایا: میں نے کسی ایسے شخص کو پایا جو مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر مفتری کی حد جاری کروں گا۔ حالاں کہ حد جاری کرنے کے سلسلہ میں خود ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حدود کو جہاں تک ہو ٹالو اور دفع کرو۔

اس سے مطلب واضح ہے کہ تفضیل کا قائل ان کے نزدیک قطعی طور پر حد کا مستحق تھا۔ پھر یہ کہ حضرت علی کا مجمع صحابہ میں اعلان کرنا اور کسی کا اختلاف منقول نہ ہونا صاف صریح طور پر بتاتا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع تھا۔

حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام ابوالحسن اشعری، امام غزالی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد بن محمد قسطلانی، علامہ زرقانی، علامہ علی قاری وغیرہم ائمہ اعلام وعلمائے دین نے تفضیل شیخین پر اجماع نقل فرمایا۔

ان تمام تفصیلات کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت نے سورۂ ''واللیل'' جس میں صدیق اکبر کے فضائل اور سورۂ ''والضحیٰ'' جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناقب ذکر ہوئے ہیں، ان کے تعلق سے تین نکتے بیان فرمائے ہیں: پہلا نکتہ امام رازی سے منقول ہے۔ دوسرا اور تیسرا خود امام احمد رضا کا طبع زاد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

پہلا نکتہ: امام رازی نے فرمایا: ان دونوں سورتوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں تاکہ اچھی طرح جان لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بھی کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا جب تم پہلے ''واللیل'' کا ذکر کرو گے جس سے مراد صدیق اکبر ہیں پھر جب آگے بلندی پر جاؤ گے تو ''والضحیٰ'' دن کو پاؤ گے کہ اس مراد حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور پہلے ''والضحیٰ'' کا ذکر کرو گے جس سے حضور مراد ہیں پھر جب نیچے آؤ گے تو ''واللیل'' کو پاؤ گے۔ یہ دونوں ترتیبیں اشارہ کررہی ہیں کہ حضور اور صدیق اکبر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

دوسرا نکتہ: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: سورۂ ''واللیل'' میں صدیق اکبر کی ذات اقدس پر کفار کی جانب سے طعن وتشنیع کا جواب ہے اور ''والضحیٰ'' میں حضور کی ذات پر طعن کا جواب ہے اور یہ واضح بات ہے کہ حضور کی براءت صدیق اکبر کی براءت کو مستلزم نہیں کہ حضور اعلیٰ ہیں۔ البتہ صدیق اکبر کی صفائی حضور کی براءت کو بدرجہ اولیٰ مستلزم۔ لہٰذا ''واللیل'' کو مقدم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ایک ساتھ دونوں ذاتوں سے طعن کو دفع کیا جائے، موخر کیا جاتا تو صدیق سے طعن کا دفاع بھی موخر ہوجاتا۔

تیسرا نکتہ: صدیق سے متعلق سورت کا نام ''واللیل'' ہے بمعنی رات، جس میں آدمی کو سکون واطمینان ملتا ہے اور حضور سے متعلق سورت کا نام ''والضحیٰ'' ہے بمعنی دن، جس میں روشنی اور نور حاصل ہوتا ہے تاکہ اس جانب اشارہ ہو کہ حضور صدیق اکبر کے لیے نور و ہدایت ہیں اور صدیق اکبر حضور کے لیے راحت، سکون اور انس واطمینان نفس کا ذریعہ ہیں۔ نیز دین کا نظام دونوں ہستیوں سے قائم ہے۔ جس طرح دن رات کے ذریعہ نظام عالم۔ دن نہ ہوتا کچھ نظر نہ آتا اور رات نہ ہوتی تو سکون وقرار نہ ملتا۔ سبحان اللہ۔

یہاں قاضی ابوبکر باقلانی نے صدیق اکبر کی مولیٰ علی پر فضیلت کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ بیان کیا ہے ۔ وہ یہ کہ ایک آیت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کا راہ خدا میں فقرا کو کچھ دینا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوف کے سبب ہے ۔ مگر حضرت صدیق اکبر کا مساکین کو عطیہ محض رضائے الٰہی کے لیے ہے، اور بس ۔ لہٰذا آپ کا مقام ارفع واعلیٰ ہوا۔

آخر میں سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: تمام صحابہ مراتب ولایت میں دوسروں سے ممتاز ہیں مگر ان کے آپس میں مختلف مراتب ہیں ۔ ایک فضیلت دوسری پر فوقیت رکھتی ہے ۔ صدیق اکبر کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہاں نہایتیں ختم ہیں ۔

امام شیخ ابن عربی ''فتوحات مکیہ'' میں فرماتے ہیں: آپ کا مقام بس منصب نبوت سے فوراً نیچے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ۔

یہ ہے کتاب کا قدرے تعارف وخلاصہ ۔ اگر تحقیق وتدقیق اور علم وعرفان کے چھلکتے جام، بہتے دریا اور لہریں لیتے سمندر سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو کتاب کے ورق الٹیے اور توفیق الٰہی اور عطیہ رسالت پناہی کے دیدار پرانوار سے اپنے آپ کو شاد کام کیجیے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

بروز یکشنبہ بوقت ۲/ بج کر ۴۵/ منٹ دن

مفتی محمد حنیف رضوی صاحب مدظلہ العالی کا یہ خلاصہ ''اتقی'' کی نہایت نفیس تحقیق ہے ۔

اللہ تعالیٰ علماء اہلسنت میں اتحاد پیدا فرمائے ۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جمیع صحابہ کرام کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھنے کی توفیق اور آپس میں اتحاد اور آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھنے کی سعادت عطا فرمائے ۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فقط

حافظ ضمیر احمد مرتضائی غفرلہٗ

مدرس جامعہ ہجویریہ، مرکز معارف اولیاء

داتا دربار کمپلیکس لاہور

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردارِ دو جہاں
اے مرتضیٰ! عتیق و عمر کو خبر نہ ہو

یہ شعر ایک حدیث کا ترجمہ ہے:

ابوبکر و عمر خیر الاولین و خیر الآخرین و خیر اھل السموات و خیر اھل الارضین الا الانبیاء و المرسلین لاتخبرھما یاعلی (کنزل العمال)

ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں اور تمام آسمان والوں اور سب زمین والوں سے بہتر ہیں سواء انبیاء و مرسلین کے، اے علی! تم ان دونوں کو اس کی خبر نہ دینا۔

علامہ مناوی نے تیسیر میں اس کے یہ معنی بتائے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے:

اے اعلی! (کرم اللہ وجہہ الکریم) تم ان سے نہ کہنا بلکہ ہم خود فرمائیں گے تاکہ ان کی مسرت زیادہ ہو۔ (التیسیر شرح الجامع الصغیر)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک سنی حنفی عالم دین نے مسئلہ افضلیت مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے متعلق ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس کتاب میں جگہ جگہ محل عقیدہ میں بیان کیا ہے کہ میں خود جمہور امت (اہلسنت) کے مطابق شیخین کریمین (حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق و امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بعد از انبیاء و مرسلین علیہم السلام افضل مانتا ہوں، انہوں نے اس مسئلہ سے متعلق مختلف روایات اور اقوال کتب احادیث، سیر اور کلام سے اپنی کتاب میں بحث و تمحیص کے لیے درج کیے ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بحوالہ ابن عساکر درج کی ہے:

عن جابر قال سئل عن علی خیر البشر لا یشك فیه الا منافق، عن جابر قال سئل عن علی فقال ذالك خیر البریة لایبغضه إلا (ص 265 بحوالہ ابن عساکر ج ۴۲ ص ۳۷۳)

اب ان کی کتاب کی اشاعت کے چار سال بعد ایک مفتی نے نقل روایت کی بناء پر مصنف پر التزام ولزوم کفر کا مرتکب قرار دے کر کافر ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ جبکہ یہ روایت کتب احادیث کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۸۷، مسند الفردوس ج ۳ ص ۶۲، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۲ میں بھی موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ تفضیل شیخین کا عقیدہ رکھنے والے

شخص کو محض نقلِ روایت کی بناء پر کافر قرار دینے کے فتویٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے اور جن محدثین نے اس روایت کو اپنی کتب میں درج کیا ہے ان پر بھی یہ فتویٰ صادق آئے گا یا نہیں؟

المستفتی عزیز حیدر قادری

راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوھاب

صورت مسئلہ کو جاننے سے پہلے تمہیداً چند امور کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ عقیدہ سے متعلق مسائل کے تین درجے ہیں۔

(۱) ضروریات دین، ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

(۲) ضروریات عقائد اہلسنت ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔

(۳) وہ مسائل کہ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں ان میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۹، صفحہ ۴۱۳، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

۲۔ کئی ایک مختلف روایات میں اگر جمع و تطبیق دینا ممکن ہو تو تطبیق دینا اولیٰ ہوتا ہے اگرچہ بعض محدثین نے انہیں متعارض قرار دیا ہو یا انہیں ناسخ و منسوخ میں داخل کیا ہو، درست راہ ان میں تطبیق دینا ہوتا ہے۔ (لہٰذا متخاصمین کا نقطہ اتحاد پر

اجماع ممکن ہے)

(i۔ الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، الجزء الثانی، النوع السادس والثلاثون معرفۃ مختلف الحدیث صفحہ ۴۷۲
مطبوعہ مکتبۃ الرشید، الریاض

ii۔ البنایۃ فی شرح الہدایۃ، جلد ا، ص ۳۴۰، ۳۸۴ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

۳۔ اجماعی مسئلہ کا تعلق اگر ضروریات دین سے ہے تو اس کا منکر کافر ہے اور اگر اس کے علاوہ ہے تو اجماع ظنی میں انکار سے بالاتفاق کافر نہیں ہوگا اور اگر جماع قطعی ہے تو اس کے انکار سے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔

(i۔ خیالی بمع حاشیہ سیالکوٹی ص ۱۴۶ مطبوعہ ادارۃ الحاج الحرمین الشریفین کانسی روڈ کوئٹہ

ii۔ تلویح علی التوضیح، ج ۲، ص ۵۲۹ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

iii۔ رسائل ملا علی قاری، ج ا، ص ۲۷، ۲۸، رسالہ شم العوارض فی ذم الروافض مطبوعہ دار الکتب محلہ جنگی پشاور

iv۔ شرح مواقف، ج ۴، الجزء الثامن ص ۴۳۱، ۴۳۲، مطبوعہ النوریۃ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

۴۔ کسی مسئلہ میں تکفیر کی کئی ایک وجوہات ہوں اور ایک وجہ اس تکفیر کو روک رہی ہو خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس ایک وجہ پر فتویٰ دے جس میں تکفیر سے روکا جا رہا ہو۔

(i۔ البحر الرائق، ج ا، ص ۳۴۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

ii۔ رسائل ملا علی قاری ج ا ص ۳۴، ۹۱ (رسالہ شم العوارض فی ذم الروافض) مطبوعہ دار الکتب محلہ جنگی پشاور

iii۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۲۱ ص ۳۳۰، ج ۱۲ ص ۳۱۷، ج ۹ ص ۹۴۱ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

۵۔ عبارت محتملہ کی تعیین جاہل و عالم کی شخصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کرنا پھر اس کے مطابق اصول افتاء کی رعایت کرتے ہوئے حکم شرعی وارد کرنا مفتی پر لازم ہوتا ہے۔

۶۔ کسی شخصیت پر نقل روایت کہ جس میں تصحیح نقل بھی ہو اس نقل روایت میں ناقل پر حکم شرعی کا وارد کرنا در حقیقت قائل روایت پر حکم لگانا ہوتا ہے۔ مثلاً ابن عساکر، مسند الفردوس، کنز العمال، تاریخ بغداد سے روایت نقل کرنے والے پر حکم تکفیر و تفسیق لگانا ان مستند شخصیات پر حکم تکفیر لگانا ہے۔ یہ حکم وارد کرنے والے کے کفر کا لزوم ہے اگر وہ ان اکابر پر بھی یہی حکم لگادے تو یہ التزام ہوگا جس سے وہ خود کافر ہو جائے گا۔

۷۔ مسئلہ افضلیت خالصتہً اجتہادی ہے۔

(زبدۃ التحقیق ص ۲۳، الصواعق المحرقہ ۵۷، کتاب ائمہ اربعہ ص ۴۸۱)

۸۔ مسئلہ اجتہادی میں ہمارے احناف کے نزدیک اجماع منعقد ہو جاتا ہے خواہ اس مسئلہ کا تعلق عقیدہ سے ہو یا فروع سے ہو۔

(کشف الاسرار علی اصول البزدوی، ج ۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ الصدف پبلشرز کراچی)

۹۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل قطعی ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل ظنی ہے۔ مگر ایسی قوی کہ کسی سنی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۶۴، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

۱۰۔ قطعیت کا استعمال جس طرح ضروریات دین کے لیے آتا ہے اسی طرح ضروریات عقائد اہل سنت کے لیے بھی آتا ہے۔ اسی وجہ سے "کبھی قطعیت کا انکار کفر نہیں ہوتا"۔

(i۔ نور الانوار ص ۲۲۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

ii۔ فتح الغفار علی المنار ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ)

۱۱۔ کسی عدد کا ذکر ما فوق کی نفی نہیں کرتا اور اس میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور عدد قلیل کے ذکر سے عدد کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔ (جہاں نص میں احصار عدد کا قرینہ نہ ہو)

وہاں مستعمل کے استعمال کا عدد میں لحاظ ہوتا ہے۔

(i۔حاشیہ عصام علی شرح العقائد النسفیہ ص ۱۳۵، مطبوعہ اصح المطابع بمبئی انڈیا

ii۔شرح صحیح مسلم للنووی، ج ۲ ص ۴۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

iii۔حمد اللہ شرح السلم ص ۷۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

۱۲۔ کسی تحقیق کو پیش کرنے کا مقصد متشدد کی شدت وسختی کو دور کرنا بھی ہوتا ہے۔

ان تمہیدات کے بعد فقیر کان لہ القدیر عرض گزار ہے کہ افضلیت شیخین ضروریات عقائد اہلسنت سے ہے جس کا منکر بدمذہب اور گمراہ ہے، چونکہ اس مسئلہ کی بنیاد نعرۂ تحقیق اور نعرۂ حیدری پر رکھی جارہی ہے۔اس لیے اولاً کچھ ان کے بارے میں معروضات کرتا ہوں۔

نعرۂ حیدری، حیدر کرار مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فیض روحانی لینے والے نعرہ اور بلند آواز کر کے اپنی توجہ کو حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات شریف میں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے السیف المسلول اور تفسیر مظہری میں اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں مولائے کائنات حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شان بیان فرمائی چنانچہ قیوم زمان مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بیان فرماتے ہیں:

ودراهیست که بقرب ولایت تعلق دارد اقطاب واوتاد وبدلا ونجبا وعامۂ اولیاء اللہ بہمین راہ واصل اند وراہ سلوک عبارت

ازین راہ ست بلکہ جذبۂ متعارفہ نیز داخل ہمین ست وتوسط وحیلولت درین راہ کائن ست وپیشوائے وواصلانِ این راہ وسرگروہ اینها و منبع فیض این بزرگواران حضرت علی المرتضیٰ ست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و این منصبِ عظیم الشان بایشان تعلق دارد، درین مقام گوئیا ہر دو قدم مبارکِ آن سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بر فرقِ مبارک اوست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و حضرت فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم درین مقام باایشان شریک اند انگارم کہ حضرت امیر قبل از نشاۂ عنصری نیز ملاذ وملجاء این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشاۂ عنصری وہر کرا فیض و ہدایت ازین راہ میرسید بتوسط ایشان میرسید چہ ایشان نزد نقطۂ انتہائے این راہ اند ومرکزِ این مقام بایشان تعلق دارد۔

ترجمہ: "دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے تمام قطب، اوتاد، ابدال اور نجباء، عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں۔راہِ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے

ساتھ شریک ہیں۔ میرے خیال میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ (جنابِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) وجودِ عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجودِ عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا اخیری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہیں سے تعلق رکھتا ہے۔"

(مکتوبات امام ربانی، فارسی دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۳، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

امام المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیدائش سے پہلے ولی ہونا جناب آدم علیہ السلام کے ظہور سے ثابت ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری علیہ الرحمۃ "السیف المسلول" میں رقمطراز ہیں:

صاحب این منصب عالی را امام و قطب ارشاد بالاصالۃ نیز خوانند و این منصب عالی از وقت ظہور آدم علیہ السلام بروح پاک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مقرر بود کہ پیش از نشاۃ عنصری آنحضرت ہر در امم سابقہ ہر کرا درجہ ولایت میرسد بتوسط روح پاک آنحضرت میرسد و بعد وجودِ عنصری تا وقت رحلت او از صحابہ و تابعین ہمہ را این دولت بتوسط او رسیدہ۔

ترجمہ: اس بلند منصب والے کو امام اور قطب ارشاد بالاصالہ بھی کہتے ہیں اور یہ (قطب ارشاد بالاصالہ) کا عالی منصب حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کے وقت سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کو سونپ دیا گیا تھا کہ آپ کی پیدائش سے پہلے سابقہ امتوں میں جو کوئی درجہ ولایت کو پہنچتا جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے توسط

اور وسیلے سے پہنچتا اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد تشریف لے جانے تک صحابہ و تابعین میں سے تمام کو یہ دولتِ ولایت آپ رضی اللہ عنہ کے توسط سے پہنچی ہے۔"

(i- السیف المسلول صفحہ ۲۲۹، ۲۳ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی انڈیا ۱۳۶۸ھ)

(ii- فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۸۱۱ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی رقم فرمایا:

و کان قطب ارشاد کمالات الولایۃ علی علیہ السلام ما بلغ أحد من الامم السابقۃ درجۃ الاولیاء الا بتوسط روحہ رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: "اور کمالاتِ ولایت سے قطب ارشاد کا مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی درجہ ولایت تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح کے توسط کے بغیر نہیں پہنچا۔"

(تفسیر مظہری جلد: ۱، صفحہ: ۵۳۳، سورۃ آل عمران آیہ ۱۱۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

جب نعرہ حیدری کی اصل ہمارے سامنے آگئی کہ اس کا مقصد حصول فیض کے لیے آواز کو بلند کرنا تھا جو آج بھی چاہیے اور نعرہ تحقیق کا نعرہ پاکستان بننے کے بعد کسی بھی سن عیسوی میں متحقق ہو ہم نے اس کا مقصد دیکھنا ہے وہ خیر اور بہتر ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ ہے اہل سنت کا اس نعرہ کو لگا کر روافض و شیعہ کا رد کرنا جو خاص خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو سب و شتم کرتے ہیں۔ چونکہ امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح سے برا نہیں کہتے، اس واسطے نعرہ تحقیق میں "حق چار یار" جواب دیا گیا کہ ہم صرف خلفاء ثلاثہ کی ہمدردی نہیں رکھتے بلکہ روافض کے ساتھ خوارج کے بھی مخالف ہیں اور خلیفہ

رابع حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھی حق سچ ہونے کی محبت اور ہمدردی سے نہیں نکالتے ۔ اگرچہ امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ پنجم ہیں ان کے بعد امارت شروع ہوگئی۔

لہٰذا اگر خوارج و روافض کارد مقصود ہو تو جواب نعرہ ’’حق چار یار‘‘ کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر تیس سال خلافت راشدہ کا لحاظ رکھنا مقصود ہو تو جواب نعرہ ’’حق پنج یار‘‘ کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر صحابیت کا لحاظ رکھنا مقصود ہو تو جواب نعرہ ’’حق سب یار‘‘ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

جب ان امور میں تطبیق ممکن ہے تو یہی اولیٰ ہے جیسا کہ ہم نے تمہید نمبر ۲ میں اس کی طرف اشارہ کیا۔

ہم نے جب نعرۂ حیدری و نعرۂ تحقیق کے مقاصد کو پیش نظر رکھا تو اپنے مقصد کے اعتبار سے کوئی بھی دوسرے کے مخالف نہیں ہے اور یہ مخفی نہ رہے کہ ’’حق چار یار‘‘ میں چار کا عدد ما فوق کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ تمہید نمبر ۱۱ میں گزرا اور حاشیہ حمد اللہ علی السلم میں جو سود کے بیان میں عدد کے حوالے سے بعض کا قول بیان ہوا وہ مستعمل کے استعمال وارادہ پر مبنی ہے جس میں مفہوم حصر کو ہماری اہلسنت عوام کا عقیدہ معدوم کر دیتا ہے۔

اب سوال میں ابن عساکر کے حوالہ سے جو روایت پیش کی گئی ہے اسے قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حضور مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی عبارات کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جب مقام قطب الارشاد پر فائز ہیں تو اس مقام پر زمانہ آدم سے لے کر آپ کے وجود عنصری تک کوئی فائز نہ ہوا اور روئے زمین کے سوائے انبیاء و رسل کے تمام اولیاء عظام آپ رضی

اللہ عنہ کی روح مبارک سے فیض حاصل کرتے رہے بلکہ قاضی صاحب تفسیر مظہری میں ارشاد فرمایا:

والأوجه عندي أن يقال إن عليا رضي الله تعالى عنه كان قطب كمالات الولاية وسائر الأولياء حتى الصحابة رضوان الله تعالى عليهم اجمعين أتباع له في مقام الولاية، وأفضلية الخلفاء الثلاثة بوجه آخر كذا حقق المجدد في مكتوب من أواخر مكتوباته (تفسیر مظہری، ج ۴، سورہ ہود، آیہ نمبر ۱۷، ص ۳۸۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

یعنی ’’میرے نزدیک زیادہ توجہ کے قابل یہ بات ہے کہ یہ کہا جائے: بیشک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمالات ولایت اور تمام اولیاء کے قطب ہیں۔ حتی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مقام ولایت میں آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے تابع ہیں۔ اور خلفاء ثلاثہ کی افضلیت دوسرے طریقے سے ثابت ہے اسی طرح حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات کے آخری مکتوب میں تحقیق فرمائی‘‘۔

اسی طرح تکمیل الایمان میں شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے علامہ خطابی کے حوالے سے جو عبارت نقل کی کہ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر کی توجیہہ بیان فرماتے ہیں۔ اگر مراد خیریت ابوبکر از وجہے است و افضلیت علی از وجہے دیگر پس این سخنے است بیرون از دائرۂ خلاف و خارج از محل نزاع یعنی اگر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی خیریت سے مراد کسی ایک وجہ سے خیر ہونا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا افضل ہونا دوسرے اعتبار سے ہے سو یہ ایک ایسی بات ہے جو دائر

اختلاف سے باہر اور محلِ نزاع سے خارج ہے۔

(تکمیل الایمان، ص ۵۸، مطبوعہ در مطبع شاخ فتح الکریم واقع بمبئی)

ان معروضات سے واضح ہوگیا کہ ابن عساکر کی یہ روایت اپنی شخصیت کے لحاظ سے ایسی ہی تاویل کی متحمل ہے جیسا کہ شیخ محقق اور قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا۔ سو اب حکم شرعی کا وارد کرنا اس احتمال پر ہوگا جو کلمہ گو کے حق میں بہتر ہے۔ جیسا کہ تمہید نمبر ۵ میں اس کا اشارہ ہوا۔ پھر جب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ سوال مذکور میں روایت کتب احادیث میں وارد ہوئی ہے تو ناقل روایت پر صرف تصحیح نقل ضروری ہے چنانچہ مناظرہ رشیدیہ میں ہے۔ منصب الناقل تصحیح النقل محسب

"ناقل کا منصب صرف تصحیح نقل ہوتا ہے۔" (مناظرہ رشیدیہ ص ۳۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی انڈیا)

اس شخص کا ناقل روایت پر حکم تکفیر عائد کرنا ان محدثین پر عائد کرنے کے مترادف ہے جبکہ ان کا مسلمان ہونا واضح امر ہے اور کسی مسلمان پر حکم تکفیر عائد کرنے سے بندہ خود کافر ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی تاویل وغیرہ پیش نظر نہ ہو۔ سو یہ مسئلہ انتہائی نازک ہے اور اس میں قدم سنبھال کر رکھنا ہی فلاح و کامیابی ہے۔

کتاب "زبدۃ التحقیق" کے حوالے سے اب کچھ گزارشات پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۷ پر فرمایا:

"میں اور کسی سے تو کچھ نہیں کہوں گا لیکن حنفی لوگوں سے ضرور احتجاجاً عرض کروں گا کہ لفظ اجماع کا اشاعرہ کی تقلید میں اس قدر بے دردانہ استعمال نہ کریں۔"

لیکن صفحہ نمبر ۳۹۶ اور صفحہ نمبر ۳۹۷ پر امام رازی جو کہ اشعری عالم ہیں کے اجماع کو تسلیم فرما رہے ہیں۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

"امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ کی تفسیر کبیر کی عبارات تین مقامات سے پیش کی ہیں جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باجماع امت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد جملہ مخلوقات سے افضل ہیں لہٰذا کسی تیسرے کا نام درمیان میں لینا اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ جتنے حوالے خلفائے ثلاثہ کے جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضلیت کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں وہ غیر اصولی غیر آئینی ہوں گے کیونکہ وہ اخبار واحدہ یا جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہیں مگر اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت برجملہ خلائق بعد از نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اجماعی عقیدہ ہوگا۔"

قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی ان دونوں عبارات میں تعارض مفہوم ہوتا ہے کہ پہلی عبارت میں اجماع اشاعرہ کے اندر حنفی و ماتریدی حضرات پر طعن فرمایا اور دوسری عبارت میں اجماعِ اشاعرہ کو خود حنفی و ماتریدی ہونے کے باوجود بنیاد بناتے ہوئے مفاضلہ بین الشخصین میں انحصار افضلیت کا فیصلہ فرمایا۔ دوسرا یہ کہ مسئلہ افضلیت تو آپ کے نزدیک مسائل اجتہادیہ سے ہے اور اس پر آپ ہی کا فیصلہ ہے کہ "اجتہادی مسائل میں اجماع ممنوع ہے۔" تو بطریق "برھان جدلی" یہ مسئلہ آپ کے مسلمات سے ہے سو یہاں دعویٰ انحصارِ افضلیت بین الشخصین پر دلیل اجماع درست کیسے ہوسکتی ہے؟

بہرکیف امام رازی علیہ الرحمہ کی عبارت کے مفہوم میں اگر قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ خلفاء اربعہ یا خمسہ میں سے افضلیت کا انحصار حضرت ابوبکر صدیق وحضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فرما رہے ہیں، تو یہ استدلال بندہ کی فہم قاصر کے مطابق درست نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ اجماع دو شخصیتوں کے درمیان مفاضلہ کے وقت ہوا پھر اس سے اگلی بات یہ

ہے کہ اس مفاضلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے افضلیت پر فیصلہ ہوگیا جیسا کہ امام رازی علیہ الرحمہ کی اس سے آگے متصلاً عبارت ہے:

ولا یمکن حمل ھذہ الایۃ علی علی بن أبی طالب فتعین حملھا علی أبی بکر

"اور اس آیہ کریمہ کو حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محمول کرنا ممکن نہیں سو اس آیہ کریمہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محمول کرنا متعین ہوگیا۔"

(التفسیر الکبیر، ج ۱۱، ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ اردو بازار لاہور)

سو امام رازی علیہ الرحمہ کی عبارت جو قضیہ شرطیہ منفصلہ حقیقیہ پر وارد کی گئی ہے میں دو شخصیتوں کے درمیان ذاتی مفاضلہ پر دلالت کرتی ہے جس میں ذاتی حیثیت سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دلیل کے مطابق افضلیت کا فیصلہ کر دیا گیا جیسا کہ اس قضیہ کا تقاضا ہے۔ نیز راجح کی تعیین کے بعد مرجوح پر عمل نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے شرح فقہ اکبر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کو ضروریات عقائد اہل سنت کے درجہ میں رکھتے ہوئے قطعی فرمایا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کو ظنی عقائد سے شمار فرمایا ہے۔ اب رہ گیا مسئلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد افضل ہونے کا تو اس میں معیار افضلیت ترتیب خلافت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر و علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان خلافت کے بارے جب گفتگو چلی تو ان کے درمیان اس خاص وقت کے لحاظ سے مفاضلہ بھی چل نکلا لیکن پھر فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں ہوگیا۔ وہی فیصلہ اب آگے چلے گا اور وہی معیار افضلیت ہوگا۔

اس کی وجہ بندہ پر یہی ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ترتیب خلافت پر ان کی بیعت کرنا ہے اور اس قدر کثیر صحابہ کرام کا اس ترتیب پر ان کی بیعت کرنا ان کی افضلیت کو ظاہر کر دیتا ہے اور ان کے حق میں افضلیت کو وجود بخشتا ہے۔ کیونکہ فرمان رسول علیہ الصلاۃ والسلام لا تجتمع أمتی علی الضلالۃ او کما قال علیہ السلام کے مصداق اول یہی صحابہ کرام کی شخصیات تھیں۔ سو ان کا اجماع قانون ساز ادارہ کے مطابق ایک قانونی اور آئینی حیثیت رکھتا ہے۔

زبدۃ التحقیق کے صفحہ نمبر ۲۳ پر قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں:

"اب ذرا خیال فرمائیے کہ اگر اجماع نص تام ہوگیا ہوتا (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کیا ہوتا) تو افضلیت قطعی ہوتی اور اس کا ماننا ضروری ہوتا، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھوڈالا۔ اور آخر میں اجتہادی کا قول کر کے اجماع کے سارے دروازے دسویں صدی کے آخری ربع تک بند کر دیئے کیونکہ اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہوتا ہے۔ اسی مسئلے کو اجماعی کہنا اور اسی کو اجتہادی بھی کہنا کس قدر نادر خیالی ہے۔"

اس سے آگے قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حجر مکی اور قاضی ابوبکر باقلانی علیہما الرحمہ کے حوالے سے مسئلہ افضلیت کو اجتہادی ہونا لکھا جس کا نتیجہ غیر اجماعی ہونا ہے۔ پھر اس تفصیلی گفتگو پر دلیل دیتے ہوئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مبارک ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"مندرجہ بالا تفصیل سے پتا چلا کہ اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے کوئی دلیل نہ مل سکے۔ اجماع بھی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ

کے زمرے میں سے ہے لہٰذا جنہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے پاس دونوں میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت بذریعہ دلیل قطعی ثابت نہ ہو سکی۔" (زبدۃ التحقیق ص ۲۸، مطبوعہ دار العلوم قادریہ جیلانیہ، لندن ۱۴۳۱ھ)

فقیر کان لہ القدیر عرض گزار ہے۔ مسئلہ اجتہادی میں اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق کے صفحہ نمبر ۲۳۴ سے صفحہ ۲۴۳ تک اجماع کی بحث رقم فرمائی ہے۔ اس میں آپ نے کشف الاسرار علی اصول البزدوی سے "صاحب میزان" کا قول نقل کیا۔ لیکن عبارت کو مکمل نقل نہ کیا گیا۔ ہم مقصودی عبارت کو یہاں مکمل نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب میزان رقمطراز ہیں:

"ثم قال لا يخلو من أن يكون المسئلة من مسائل الإجتهاد أولم يكن فإن لم يكن لا يخلو من أن يكون عليهم فى معرفتها تكليف أولم يكن عليهم فإن لم يكن عليهم فى معرفتها تكليف يجوز أن يقال إن أباهريرة أفضل أم أنس بن مالك فترك الإنكار على من قال فيها بقول لا يكون اجماعا لانه لما لم يكن عليهم بتكليف فى معرفة ذلك الحكم لم يلزمهم النظر فلم يحصل لهم العلم بكونه صوابا أوخطاء فلا يلزمهم الإنكار إذ ذلك الإنكار إنما يلزمهم عند معرفة كونه خطأ وإذا كان كذلك لم يبعد أن يتركوا الإنكار فيه بناء على عدم معرفة كونه خطأ فلا يكون سكوتهم دليل التسليم و الرضا. و اما إذا كان عليهم تكليف فى معرفة حكم الحادثة يكون سكوتهم تصويبا ورضاء بذلك

الحكم إذ لولم يكن كذلك يلزم منه إجماعهم على ترك الحب عليهم من النهى عن المنكر المستلزم للمحال وهو الخلف فى إخبار الله تعالى عزّوجلّ فإنه تعالى مدحهم بالامر بالمعروف والنهى عن المنكر و شهدهم بذلك فى قوله تعالى كنتم خير امة أخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و مايؤدى إلى المحال فاسد. فأما إن كانت المسئلة إجتهادية بان كانت من الفروع التى هى من باب العمل دون الإعتقاد فالجواب فيها و فى المسئلة الإعتقادية سوآء يعنى يكون ذلك إجماعاً عند أكثر أصحابنا و هو إختيار بعض أصحاب الشافعى كصاحب القواطع و من تابعه"

ترجمہ: "پھر وہ (مسئلہ جس پر اجماع کا انعقاد ہوتا ہے دو حال سے) خالی نہ ہوگا کہ یہ مسئلہ مسائل اجتہاد میں سے ہوگا یا نہیں۔ بصورت ثانی (مسائل اجتہاد سے نہ ہو تو) پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا کہ اجماع کا انعقاد کرنے والوں پر اس مسئلہ کی معرفت و پہچان کا مکلف ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر تکلیف معرفت ضروری نہیں تو جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ جناب ابوھریرۃ افضل ہیں یا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سو جس نے اس بارے کوئی بات کہی اس پر منکر کے انکار کو چھوڑ دینے سے اجماع منعقد نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ان اجماع منعقد کرنے والوں کو اس حکم کی معرفت میں مکلف ٹھہرانا لازم نہیں تو ان کو اس مسئلہ میں غور و فکر کرنا بھی لازم نہ ہوا جس کی وجہ سے انہیں اس بارے درست اور خطاء ہونے کا علم نہیں حاصل ہوگا۔ سو ان کو انکار لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہ انکار ان

کو منکر کی خطا کی پہچان کے وقت لازم ہے اور جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ بات بعید
نہیں کہ وہ اس میں انکار کو منکر کی خطاء کی پہچان کے نہ ہونے کی بنا پر چھوڑ دیں۔ جس کی
وجہ سے ان کا سکوت دلیل تسلیم و رضا نہیں ہو سکتا۔ اور جب ان پر حکم حادثہ (نو پید مسئلہ)
کی معرفت میں تکلیف لازم ہو تو ان کا سکوت اس مسئلہ کو درست قرار دینے اور اس حکم کی
رضا پر دلیل ہوگی۔ کیونکہ اگر اس طرح نہ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ امت محمدیہ علی
صاحبہا الصلوۃ السلام کا برائی سے روکنا جو ان پر لازم ہے کی محبت کے ترک پر اتفاق
کرنا لازم آئے گا، جو محال کو مستلزم ہے۔ اور یہ اخبار الٰہی میں باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے امت محمدیہ کی مدح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ فرمائی ہے اور اس
بات کی گواہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان میں ہے: ”تم بہترین امت ہو جو
لوگوں کے نفع کے لیے پیدا کیے گئے ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے
ہو“ اور (جب یہ محال کو لازم ہے تو) جو محال کی طرف لے کر جائے وہ فاسد ہوتا ہے۔

پھر اگر یہ مسئلہ اجتہادی ہو بایں طور کہ یہ ان فروع سے ہو جو عمل کے باب سے
ہیں اعتقاد سے نہ ہو تو اس بارے اور مسئلہ اعتقادیہ میں جواب برابر ہے۔ یعنی یہ ہمارے
اکثر احناف کے نزدیک اجماع ہوگا اور یہی بعض شوافع جیسا کہ صواحب قواطع اور ان
کے پیرو کار حضرات کا مختار ہے۔“

(کشف الاسرار علی اصول البزدوی الجزء الثالث ص ۲۲۸، ۲۲۹ مطبوعہ الصدف پبلشرز کراچی)

صاحب میزان جن کا علماء اصولیین میں ایک مسلم مقام ہے اور اس عبارت کو نقل
فرمانے والے محقق شیخ عبدالعزیز بخاری علیہ الرحمہ ہیں۔ سو اس وضاحت سے یہ ثابت
ہو گیا کہ جب مسئلہ افضلیت خالصۃً اجتہادی ہے تو اجتہادی مسئلہ میں ہمارے اکثر احناف

کے نزدیک اور بعض شوافع اور ان کے توابع کے نزدیک اجماع منعقد ہو جاتا ہے خواہ
وہ مسئلہ فروع سے ہو یا اعتقاد سے ہو۔

دوسرا حدیث حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اجماع کا ذکر نہیں ہے
بلکہ یہ تو ائمہ اصول کی صراحت ہے کہ اجماع قرآن و سنت میں داخل ہے تو انہی ائمہ
کرام نے یہ بھی صراحت کر دی کہ اجماع مسئلہ اجتہادیہ میں بھی واقع ہو جاتا ہے۔ اور یہ
مخفی نہ رہے کہ ایک ہے نفس اجتہاد جس کا ذکر حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
میں ہوا اور ایک ہے اس اجتہاد کی قطعیت خواہ وہ ضروریات دین سے ہو یا ضروریات
عقائد اہل سنت سے، یہ اجماع سے حاصل ہوگی۔

ایک وضاحت اور گزارش کرتا ہوں کہ قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے تکلیف
کو واجب شرعی اور ضروریات دین سے تعبیر کیا ہے حالانکہ ضروریاتِ دین کے
منکر کے انکار پر سکوت کفر ہے اور اگر اقرار ہے تو وہ مفید قطعیت نہیں کہ ضروریات
دین پہلے سے ہی اعلیٰ درجہ کی قطعیت پر فائز ہے۔ جب اقرار بھی درست نہیں اور
انکار پر اقرار یا سکوت بھی درست نہیں تو لامحالہ یہاں تکلیف کا معنیٰ ضروری اور
واجب شرعی ہوگا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس مسئلہ حادثہ کی پہچان اجماع کے انعقاد
کرنے والوں پر ضروری ہے۔ عام ازیں کے اس پہچان میں منکر کے انکار پر
سکوت کریں یا اقرار کریں یا انکار تو اب اس غیر قطعی مسئلہ حادثہ میں انعقاد و اجماع
کے بعد قطعیت پیدا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

اب ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مجتہد فیہ مسئلہ میں اجماع منعقد ہو سکتا ہے
تو کیا اس ضروریات عقائد اہل سنت میں قطعی کہا جانے والا مسئلہ صحابہ کرام علیہم

الرضوان میں افضلیت کے نہ ماننے والوں پر حکم تضلیل نافذ کرے گا؟

اس اشکال کا حل فرماتے ہوئے حضرت العلام صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی کتاب ''توضیح وتنقیح'' میں رقمطراز ہیں:

مسئلة: (شرط البعض كونه فى مسئلة غير مجتهد فيها فى زمن الصحابة رضى الله عنهم فجعلوا الخلاف المتقدم مانعا من الاجماع للمتاخر لأن ذلك المخالف إنما يعتبر خلافه لدليله لا لعينه ودليله باق ولأن فى تصحيح هذا الإجماع تضليل بعض الصحابة والمختار عدم إشتراطه لأن المعتبر إتفاق أهل العصر وقد وجد دليله كان دليلا لكنه لم يبق كما اذا انزل النص بعد العمل بالقياس فلايلزم التضليل الذى ذكر) إعلم أن الضلال اما أن يكون بالنظر إلى الدليل أى لايكون الدليل مقرونا بشرائط وأما ان يكون بالنظر إلى الحكم لا بالنظر الى الدليل أى يكون الدليل مقرونا بالشرائط ومع ذلك لايكون موصلا إلى الحكم الذى هو حق عند الله تعالى فان اراد بتضليل الصحابة المعنى الاول فلانسلم لزومه لأن الصحابة رضى الله عنهم إذا اختلفوا وأقام كل واحد منهم الدليل مقرونا بشرائطه لايكون أحد منهم ضالا ولامخطئا بالنظر إلى الدليل ثم إذا إنعقد الإجماع بعدهم على أحد الطرفين فدليل المخالف لم يبق الأن دليلا لانه حدث دليل أقوى وهو الإجماع لكن الإجماع لم يدل

على أن الدليل لم يكن قبل ذلك مقرونا بشرائطه فلايكون تضليلا بالنظر إلى الدليل وإن أراد المعنى الثانى فلانسلم أن تضليل بعض الصحابة بالنظر إلى الحكم ممتنع بل تضليل كلهم بالنظر إلى الحكم ممتنع فإنه إذا وقع الاختلاف بينهم فإصابة الحق لاتعدوهم ومع ذلك لاشك أن أحدهم مخطئ نظرا إلى الحكم لان الحق عندالله تعالى واحد عندنا فالحاصل أنهم إن أرادوا بالتضليل التضليل بالنسبة الى الدليل فالتضليل غير لازم لان دليلهم كان دليلا فى ذلك الزمان لكنه لم يبق دليلا فى زمان حدوث الإجماع وإن أرادوا التضليل بالنسبة فى الواقع فلانسلم إمتناعه لأن المجتهد يخطئ ويصيب فاذا وقع الخلاف فى مسئلة فلاشك إن أحدهما بالنسبة إلى الواقع وإلى علم الله مخطى وضال

ترجمہ: بعض اصولیین نے (انعقاد اجماع کے لیے) شرط لگائی ہے کہ وہ مسئلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں اجتہادی نہ ہو۔ سو ان حضرات نے مقدم اختلاف کو اجماع متاخر کے لیے مانع قرار دے دیا۔ کیونکہ اس مخالف کی دلیل کا ہی اعتبار ہے۔ اس کی ذات (اگرچہ نہ رہی ہو) اس کا اعتبار نہیں اس کی دلیل تو باقی ہے (کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہ تھا اور دلیل اس میں مجتہد کی تسلیم کی جاتی ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے متأخر اجماع کے منعقد ہونے سے بعض صحابہ کرام کی تضلیل کرنا لازم آئے گی۔

لیکن مختار مذہب (انعقاد اجماع کے لیے) اس شرط کا نہ ہونا ہے کیونکہ اجماع میں اعتبار اہل عصر، زمانہ والوں کا اتفاق ہوتا ہے اور وہ پایا جا رہا ہے البتہ مخالف کی

دلیل وہ دلیل تھی (اپنے عصروزمانہ میں) لیکن اب باقی نہیں رہی جیسا کہ قیاس پر عمل کرنے کے بعد نص نازل ہو جائے سو اس سے تفضیل صحابہ کرام لازم نہیں آتا۔

اے مخاطب! تو جان کہ اس مسئلہ میں ضلالت یا تو دلیل کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے ہوگی یعنی دلیل اپنی شرائط کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہوگی یا ضلالت اس دلیل کے حکم کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے ہے۔ دلیل کی طرف نظر کے اعتبار سے نہ ہوگی۔ یعنی دلیل شرائط کے ساتھ ملے ہونے کے باوجود اس حکم تک پہنچانے والی نہیں ہوگی جو عنداللہ حق ہے۔

سو اگر تفضیل صحابہ سے معنیٰ اول مراد ہے تو ہمیں اس کا لزوم تسلیم نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جب انہوں نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف کیا اور ان میں سے ہر ایک نے دلیل قائم کی جو اپنی شرائط کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو ان میں سے کوئی بھی گمراہ ہوا نہ خطاوار دلیل (کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے دلیل کی طرف) نظر کرنے کے اعتبار سے۔ پھر جب اس کے بعد طرفین میں سے کسی ایک کے موقف پر اجماع منعقد ہوا تو مخالف طرف کی دلیل اب دلیل بن کر باقی نہ رہی کیونکہ اب اس سے اقوی دلیل پیدا ہو گئی ہے اور وہ ہے اجماع لیکن اجماع متاخر اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دلیل اس سے پہلے اپنی شرائط کے ساتھ ملی ہوئی نہ تھی پس دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے تفضیل نہ ہوئی۔

اور اگر دوسرا معنی مراد لیں تو ہمیں تسلیم نہیں کہ حکم کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے بعض صحابہ کرام کی تفضیل منع ہے بلکہ ہر صحابی کی تفضیل حکم کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ کیونکہ جب ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا تو حق ان

سے تجاوز تو نہیں کرے گا لیکن یہ بھی یقینی امر ہے کہ حکم کی طرف نظر کے اعتبار سے ان اختلاف کرنے والوں میں سے کوئی ایک خطا پر ضرور ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک حق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہی ہے۔

سو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر ان کی مراد تفضیل صحابہ سے دلیل کی طرف نسبت کے اعتبار سے تفضیل کرنا ہے تو یہ تفضیل لازم نہیں کیونکہ ان کی دلیل وہ ان کے اپنے زمانہ میں تھی لیکن اب اس اجماع کے منعقد ہونے کے زمانہ میں یہ دلیل باقی نہیں رہی (بلکہ جن صحابہ کرام کی دلیل پر اجماع منعقد ہوا ہے وہ اب دلیل باقی ہے اور جن کی دلیل پر اجماع منعقد نہ ہوا تو ان کی دلیل اب باقی نہیں رہی لیکن جس دلیل پر اجماع ہوا اس کی وجہ سے دوسری عدم اجماع والی دلیل کے صحابہ کرام کی تفضیل نہیں کر سکتے کیونکہ اس اجماع سے پہلے دونوں طرفوں کی دلیلیں معتبر تھیں اور بالقوہ قطعی تھیں)۔ اور اگر ان کی مراد تفضیل صحابہ سے واقع اور حکم کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے ہے تو ہمیں اس کا امتناع مسلم نہیں کیونکہ مجتہد کبھی خطاء کرتا ہے اور کبھی درستگی پاتا ہے پھر جب کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا تو یقیناً ان میں سے ایک واقع اور اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت کے لحاظ سے خطاء کرنے والا اور راہِ حق کو نہ پانے والا ہے۔

(التوضیح مع التلویح، ج ۲، ص ۵۲۸ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے علامہ محب اللہ البہاری ''مسلم الثبوت'' میں اور اس کی شرح میں بحر العلوم علامہ عبد العلی علیہما الرحمہ رقمطراز ہیں:

مسألة: اتفاق اهل العصر الثاني بعد استقرار الخلاف في العصر (الاول ممتنع عند الأشعري و) الامام (أحمد و) الإمام

حجة الإسلام (الغزالی و الإمام) إمام الحرمین (والمختار أنه
واقع حجة و علیه أکثر الحنفیة الشافعیة: لنا علی الوقوع إجماع
التابعین علی جواز متعة العمرة) أی الجمع بینهما بإحرام واحد أو
بإحرامین فی أشهر الحج، و الفقهاء یطلقون القران علی الأول
والمتعة علی الثانی والمصنف جری علی الإطلاق القدیم

یعنی عصر اول میں اختلاف کے قرار پکڑنے کے بعد عصر ثانی والوں کا اتفاق
کرنا امام اشعری، امام احمد بن حنبل حجۃ الاسلام امام غزالی اور امام الحرمین علیہم الرحمہ
کے نزدیک ممتنع ہے۔

جبکہ مختار مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں عصر ثانی کا اتفاق حجت بن کر
واقع ہوجاتا ہے اور اس پر اکثر احناف وشوافع ہیں۔ ہماری دلیل حج کے ساتھ عمرہ کے
نفع حاصل کرنے کے جواز پر تابعین علیہم الرحمہ کے اجماع کے واقع ہونے پر ہے۔
یعنی حج وعمرہ کو ایک احرام میں یا دو احرام میں حج کے مہینوں میں جمع کرنا ہے اور فقہاء
کرام حج قران کا نام ایک احرام میں حج وعمرہ ہونے پر اور حج تمتع کا نام دو احراموں
میں حج وعمرہ ہونے پر اطلاق کرتے ہیں اور مصنف علیہ الرحمہ اطلاق قدیم پر چلے ہیں۔

(فواتح الرحموت علی مسلم الثبوت ج ۲، ص ۲۷۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

اس گذشتہ گفتگو سے واضح ہوگیا کہ

۱) مسئلہ اجتہادی پر اجماع ممکن ہے۔

۲) صحابہ کرام کے دور میں اگر کسی اجتہادی مسئلہ پر اجماع نہ ہوا یا کسی بھی عصر اول
میں اختلاف ہوا تو وہ بعد میں آنے والے عصر ثانی کے اجماع کو روکنے والا

نہیں ہے۔

۳) اختلافی مسئلہ میں اگر اتفاق و اجماع ہو جائے تو اس اجماع سے قبل حضرات
مخالفین کو گمراہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس وقت ہر ایک دلیل پر تھا اور اجماع کا
وقوع نہ ہوا تھا۔

۴) انعقادِ اجماع کے بعد مخالف خرقِ اجماع کے باعث غیر ضروریات دین معاملہ
میں بدعت وضلالت کا مستحق ہوگا۔

۵) عصر اول کے اختلاف کو عصر ثانی میں اجماع کے لیے مانع سمجھنے والے حضرات
اشعریہ ہیں یا حنابلہ ہیں جبکہ کثیر احناف اور شوافع اسے مانع نہیں سمجھتے۔

اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ”قاضی ابوبکر باقلانی، شیخ محی الدین ابن عربی، امام رازی،
ابوالحسن باہلی، امام الحرمین علماء اشعریہ سے ہیں“۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۳۱-۵۹۹ ط موسسۃ الشرف لاہور)

اور علامہ خطابی اہل کوفہ سے ہیں جو تقدیم مولیٰ علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
قائلین میں سے ہیں۔ (تکمیل الایمان ص ۷۵ طشاخ فتح الکریم بمبئی)

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ اشعری ہیں (جیسا کہ ان کے حالات اور شرح
عقائد وتلویح میں اختلاف مسئلہ سے واضح ہے)۔

(حاشیہ نبراس ص ۴۲۶، حاشیہ نمبر ۲ مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

صاحب مواقف علامہ عضد الدین مشہور اشعری ہے جیسا کہ مقدمہ شرح مقاصد و
مواقف میں ہے۔ اور اس کے شارح علامہ جرجانی علیہ الرحمہ نے اپنے کلام کو اس
کتاب کے متن کے مطابق چلایا ہے۔ جیسا کہ شرح مواقف الجزء الثامن کے دو

مقامات، ص ٢٥٢، ٢٩٠ پر (وهي عندنا) أي الأشاعرة... الخ اور (وبه نقول) نحن معاشر الاشاعرة...الخ (شرح مواقف، مطبوعہ النوریۃ الرضویۃ پبلشنگ کمپنی لاہور) سے واضح ہے۔

اس بات کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ اکثر علماء اشعریہ جب اپنے اصول کے مطابق اجماع کے منعقد نہ ہونے کے قائل ہوئے تو ان پر جو یہ اعتراض پڑ سکتا تھا کہ ایسا اجماع ہو تو بعض سے بعض کی تضلیل کرنا لازم آئے گی تو اس کا جواب ان کی طرف سے یہی ہوا کہ اختلاف کے بعد اجماع منعقد ہو ہی نہیں سکے گا سو جب اجماع منعقد نہ ہوا تو محض اشخاص وافراد کے مؤقف رہ گئے جو متعارض ومتضاد نظر آنے لگے جس کا واحد حل سکوت اور توقف تھا۔ اور ہم فواتح الرحموت کے حوالے سے روافض کی عدم تکفیر کے مسئلہ میں یہ گزارش کر آئے ہیں کہ علامہ عبدالعلی نے فرمایا ہے: وأما انكارهم المجمع عليه وإن كان انكار جلي و نشا من شفاهة لكن ليس انكاراً مع اعترافهم أنه مجمع عليه بل ينكرون كونه كذلك بشبهة نشات لهم.

یعنی روافض نے اجماع کیے ہوئے مسئلہ کا انکار کیا ہے (یہ لزوم کفر ہے التزام نہیں) اگرچہ یہ بالکل واضح انکار ہے اور ان کی بیوقوفی سے پیدا ہوا ہے لیکن ان روافض کا اس امر کو اجماع کیا ہوا اعتراف کر کے انکار نہیں ہے بلکہ وہ اس امر کے اس طرح ہونے کے ایسے شبہ کی وجہ سے منکر ہیں جو ان کے لیے پیدا ہوا۔

(فواتح الرحموت علی مسلم الثبوت ج ٢، ص ٢٩٤ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

لہٰذا مذکورہ علماء اشعریہ کا اپنے اصول کے مطابق افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مسئلہ کے بارے سکوت اور توقف کا قول کرنا اجماع کے منعقد نہ ہونے کے

بنا پر ہے اور یہ ان کا حق ہے۔

البتہ ماتریدیہ علماء کرام کے لیے اس فروعی مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید ضروری ہے ہمارے احناف کے نزدیک مختار مذہب کے مطابق اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔
اب اس اجماع کو تسلیم کر کے اجماع سے پہلے اقوال کو پیش کرنا اور انہیں متضاد ٹھہرا کر توقف کرنے کو لازم ٹھہرانا بشرط شئی کے درجہ میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماتریدیہ حضرات میں سے کوئی اجماع کے تحقق کے بعد افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدم تسلیم کا فیصلہ دے یا توقف کو لازم ٹھہرائے تو وہ اس ضروریات عقائد اہل سنت کے قطعی مسئلہ جو فی الواقع ظنی ہے کے انکار کے باعث مبتدع وگمراہ ہوگا۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ مکتوبات شریف میں رقمطراز ہیں:

بمولانا محمد اشرف صدور یافت در بیان فضائل خلفاء راشدین و فضل حضرات شیخین و بعضے از خصائص حضرت امیر و در بیان تعظیم و توقیر اصحاب کرام علیہم الرضوان و در بیان محامل صحیحہ از برائے منازعات و مشاجرات ایشان وما يتعلق بذلك بعد الحمد والصلوة و تبليغ الدعوات معلوم اخوی ارشدی خواجہ محمد اشرف باد بعضے از علوم غریبہ و اسرار عجیبہ مواہب لطیفہ و معارف شریفہ کہ اکثر آنہا تعلق بفضائل و کمالات حضرات شیخین وذی النورین و حیدر کرار رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین داشتہ بحسب فہم قاصر خود مینویسد

بگوش هوش استماع فرمایند که حضرت صدیق و حضرت
فاروق رضی اللہ تعالی عنهما باوجود حصول کمالات محمدی
ووصول بدرجات ولایت مصطفوی **علیه وعلی اله الصلوة
والسلام** درمیان انبیاء ماتقدم در طرف ولایت مناسبت
بحضرت ابراهیم **صلوات الله تعالی و تسلیماته علی نبینا وعلیه**
دارند ودر طرف دعوت که مناسب مقام نبوتست مناسبت
بحضرت موسی دارند **صلوات الله سبحانه وتعالی و تسلیماته علی
نبینا وعلیه** و حضرت ذی النورین درهر دو طرف مناسبت
بحضرت نوح دارند **صلوات الله سبحانه و تعالی علیهما ته علی
نبینا وعلیه** وحضرت امیر درهر دو طرف مناسبت بحضرت
عیسی دارند **صلوات الله سبحانه وتعالی و تسلیماته علی نبینا
وعلیه** وچون حضرت عیسی روح اللہ است و کلمۂ اولاجرم
طرف ولایت درالیشان غالب ست ازجانب نبوت ودر حضرت
امیر یزبواسطۂ آن مناسبت طرف ولایت غالب است مبادی
تعینات خلفاء اربع صفة العلم است **علی اختلاف الجهات اجمالا
وتفصیلا** وان صفت باعتبار اجمال رب محمد است وباعتبار
تفصیل رب حضرت خلیل وباعتبار برزخیت اجمال وتفصیل
رب حضرت نوح است چنانکه رب حضرت موسی صفة الکلام
است ورب حضرت عیسی صفة القدرت ورب حضرت آدم

صفت التکوین بر سر اصل سخن رویم حضرت صدیق و
حضرت فاروق حامل بار نبوت محمدی اند **علی اختلاف
المراتب** وحضرت امیر بواسطۂ مناسبت حضرت عیسی وغلبۂ
جانب ولایت حامل بار ولایت محمدی اندو حضرت ذی
النورین باعتبار برزخیت حمل بارهر دوطرف فرمودهٔ اندو تواند
بود که باین اعتبار نیز ایشان اذوالنورین گویندو چون حضرات
شیخین حمل بارنبوت فرموده اند مناسبت بحضرت موسی
بیشتر دارند چه مقام دعوت که ناشی ازمرتبه نبوتست درمیانِ
سائر انبیا بعد از پیغمبر مادر ایشان اتم واکمل است وکتاب
ایشان بعد از قرآن مجید بهترین کتب منزله لهذا امت ایشان
درامم ماتقدم بیشتر دربهشت خواهند رفت هرچند شریعت
حضرت ابراهیم وملت او از جمیع شرائع وملل افضل واکمل
است ازینجا است که پیغمبر افضل الرسل را امر بمتابعت ملت
او فرموده، کریمه **ثُمَّ أَوحینا إلیك أن اتبع ملة إبراهیم حنیفاً**
شاهد این معنی است و حضرت مهدی موعود که رب او نیز
صفت العلم است دررنگ حضرت امیر مناسبت بحضرت
عیسی دارند گونیایک قدم حضرت عیسی بر سر حضرت
امیر است وقدم دیگر بر سر حضرت مهدی بدانند که ولایت
موسوی جانب یمین ولایت محمدی واقع شدهٔ است وولایت

عیسوی جانب یسار آن ولایت وچون حضرت امیر حامل بار
ولایت محمدی بوده اند اکثر سلاسل اَولیاء بایشان منتسب
گشت و کمالات حضرت امیر بیش از کمالات حضرات
شیخین براکثر اولیاء عُزلت کہ بکمالات ولایت مخصوص اند
ظاهر شد اگرنه اجماع اهلسنت برأفضلیت شیخین بودے
کشف اکثر اولیاءِ عُزلت بافضلیت حضرت امیر حکم کردے
زیرا کہ کمالات حضرات شیخین شبیه بکمالات انبیا است
علیهم الصلوات والتسلیمات دستِ ارباب ولایت از دامانِ آن
کمالات کوتاه است و کشف ارباب کشوف بواسطه علو
درجات انها درراه کمالات ولایت درجنب آن کمالات
کالمطروح فی الطریق اند کمالات ولایت زینه هااند از برے
عروج بر کمالات نبوت پس مقدمات را از مقاصد چه خبر بودو
مبادی را از مطالب چه شعور امروز این سخن بواسطه بعد عهد
نبوت براکثرے گرانست واز قبول دور لیکن چه توان کرد۔

درپس آئینه طوطی صفتم ساخته اند، هر چه اوستاد ازل
گفت همان میگویم۔ اما **الحمد لله سبحانه والمنة** که درین
گفتگو بعلماء اهل سنت **شکر الله تعالی سعیهم** موافقم وبه
اجماع ایشان متفق استدلالی ایشان رابرمن کشفی ساخته
اندو اجمالی را تفصیلی این فقیر راتا زمانے که بکمالات مقام

نبوت بمتابعة پیغمبر خودنرسانید وازان کمالات بهرهٔ تام ندا
وند بر فضائل شیخین بطریق کشف اطلاع نه بخشیدند وغیراز
تقلید راهے نمودند وازان کمالات بهرهٔ تام نداوند برفضائل
شیخین بطریق کشف اطلاع نه بخشیدند وغیر از تقلید راهے
ننمووند **الحمد لله الذی هه انا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدنا
الله لقد جاءت رسل ربنا بالحق** روزے شخصے نقل کرد که
نوشته اند که نام حضرت امیر بر در بهشت ثبت کرده اند بخاطر
رسید که حضرت شیخین را از خصائص آن موطن چه باشد
بعد از توجه تام ظاهر شد که دخول این امت دربهشت
باستصواب و تجویز این دواکابر خواهد بود گوئیا حضرت
صدیق بر در بهشت ایستاده اند وتجویز دخول مردم میفرمایند
و حضرت فاروق دست گرفته بدرون مے برند و مشهور
میگردد که گوئیا تمام بهشت بنور حضرت صدیق مملو است
درنظر این حقیر حضرات شیخین رادرمیان جمیع صحابه
شان علحده است و درجه منفرده گوئیا بهیچ احدے
مشارکت ندارند حضرت صدیق باحضرت پیغمبر **علیه و
علیهم الصلوات والتسلیمات** گوئیا همخانه است اگر تفاوت
است بعلو وسفل است و حضرت فاروق لطفیل حضرت صدیق
نیز باین دولت مشرف اندو سائر صحابه کرام بآنسرور علیه و

علیهم الصلوات والتسلیمات نسبت همسرائی دارند یاهم
شهری باولیا امت خود چه رسد ے این بس که رسد زدد ربانگِ
جرس ۔ پس اینها از کمالات شیخین چه دریابند این هر
دو بزرگوار از بزرگی و کلانی در انبیاء معدود اند و به فضائل
انبیا محفوف **قال النبی صلی الله تعالی علیه وعلی اله وسلم لو کان
بعدی نبی لکان عمر** امام غزالی نوشته که در ایام عزاے حضرت
فاروق عبدالله بن عمر بمحضر صحابه گفت **مات تسعة
اعشار العلم** چون از بعضے در فهم این معنی توقف دید گفت
مرادمن علم بالله است نه علم حیض ونفاس از حضرت صدیق
چه گوید که جمیع حسنات حضرت عمر یک حسنۂ اوست
چنانچه مخبر صادق ازان خبرداده و محسوس میگردد
انحطاطی که حضرت فاروق را از حضرت صدیق است زیاده
ازان انحطاطست که حضرت صدیق را از حضرت پیغمبر علیه
وعلی اله الصلوات والتسلیمات پس قیاس کن که انحطاط
دیگران از حضرت صدیق چه قدر خواهد بود و شیخین بعد از
موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند وحشر نیز درمیان
ایشیان خواهد بود چنانچه فرموده پس افضلیت بواسطۂ اقربیت
ایشان را بود واین حقیر قلیل البضاعت از کمالات ایشان چه
گوید واز فضائل ایشان چه بیان نماید ذره را چه یارا که سخن از

آفتاب گوید و قطره را چه مجال که حدیث بحر عمان بر زبان
آرد اولیاء که براے دعوت خلق مرجوع اند و از هر دو طرف
ولایت و دعوت بهرۂ تام دارند و علماء مجتهدین از تابعین و تبع
تابعین بنور کشف صحیح و فراست صادقه و اخبار متتابعه فی
الجمله کمالات شیخین را دریافته اند و شمه از فضائل ایشان
شناخته ناچار حکم بافضلیت شان نموده اند و برین معنی
اجماع فرموده اند و کشفے که برخلافِ این اجماع ظاهر شده
برعدم صحت حمل نموده اعتبار نکرده **کیف وقد صح فی
الصدر الاول افضلیة کما روی البخاری عن ابن عمر رضی الله
تعالی عنهما قال کنا فی زمن النبی صلی الله تعالیٰ علیه واٰله وسلم
لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی
صلی الله تعالی علیه واله وسلم لا نفاضل بینهم و فی روایة لابی
داؤد قال کنا نقول ورسول الله صلی الله تعالی علیه واله وسلم
حی افضل امة النبی صلی الله تعالی علیه واله وسلم بعده ابوبکر
ثم عمر ثم عثمان رضی الله تعالی عنهم**

ترجمہ: خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کی فضیلت اور حضرت امیر
(سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام علیہم
الرضوان کی تعظیم وتوقیر اور ان کے درمیان جھگڑوں اور لڑائیوں کو محمل صحیح پر حمل کرنے
اور اس کے متعلق بیان میں مولانا محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علوم غریبہ اور اسرار عجیبہ اور مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ جن میں سے اکثر حضرات شیخین و ذی النورین وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے موافق لکھتا ہے، گوش ہوش سے سنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ وعلی آلہ الصلوت والسلام کے درجوں کے پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیا کے درمیان ولایت کی طرف میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی طرف میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسی روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لیے نبوت کی جانب سے ولایت کی طرف ان میں غالب ہے اور حضرت امیر میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی طرف غالب اور خلفائے اربعہ کے تعینات کے مبادی جہالت کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے اور وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب اور باعتبار تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کا رب اور اجمال وتفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا رب ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب صفت الکلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفت القدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفت التکوین سے موصوف ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی ﷺ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہتے ہوں اور چونکہ حضرات شیخین بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ مقام دعوت جو مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان ان میں اتم واکمل ہے اور ان کی کتاب قرآن مجید تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے۔ اسی واسطے ان کی امت گذشتہ امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جاوے گی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل واکمل ہے یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل پیغمبر کو ان کی ملت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے آیت کریمہ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط (پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی تابعداری کر کہ وہ راہ راست پر چلنے والا ہے) اس مضمون کی شاہد ہے اور حضرت مہدی موعود کہ اس کا رب بھی صفت العلم سے موصوف ہے۔ حضرت امیر کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت، ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسوی اس ولایت کے بائیں طرف
اور چونکہ حضرت امیر ولایت محمدی ﷺ کے حامل ہیں اس لیے مشائخ و اولیا کے اکثر
سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں اور حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخین کے کمالات
کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں، زیادہ تر ظاہر ہوئے
ہیں۔ اگر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے
عظام کا کشف حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضرات شیخین
کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کا
ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے
درجوں کی بلندی کے باعث نصف راہ میں ہے ولایت کے کمالات ان کے کمالات
کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالاتِ
ولایت، کمالاتِ نبوت پر چڑھنے کے لیے بمنزلہ زینہ کے ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی
خبر ہے اور مطالب کو مبادی سے کیا شعور۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کے باعث
اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ: آئینے کے پیچھے میں طوطی کی صفت رکھتا ہوں۔
ہر وہ جو استاد ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں علمائے اہل سنت شکر اللہ
تعالیٰ سعیھم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلال

کو مجھ پر کھولا اور اجمالی علم کو تفصیلی ظاہر کیا۔

اس فقیر کو جب تک کہ مقام نبوت کے کمالات تک نہ پہنچایا اور ان کمالات سے
کامل حصہ نہ دیا، تب تک شیخین کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی اور تقلید
کے سوائے کوئی راہ نہ دکھایا تھا۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ
لقد جاءت رسل ربنا بالحق اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت
دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب
کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

ایک دن کسی شخص (صاحب کشف) نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین رضی اللہ
تعالیٰ عنہما کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ
بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا گویا
حضرت صدیق بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی
تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا
ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق کے نور سے بھرا ہوا ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کے لیے تمام صحابہ کے درمیان علیحدہ شان اور
الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے حضرت صدیق حضرت
پیغمبر کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے
اور حضرت فاروق بھی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل اس دولت سے مشرف

ہیں اور تمام صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں پھر اولیائے امت کا وہاں کیا دخل ہے۔ ع

ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

ترجمہ: "ہے یہی کافی کہ آئے دور سے بانگ جرس"

یہ لوگ کمالات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا حاصل کریں یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی وکلانی کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لو کان بعدی نبی لکان عمر (اگر میرے پیچھے کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا)۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوگِ وصال کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صحابہ کی مجلس میں کہا کہ مات تسعة اعشار العلم آج نو حصے علم فوت ہوگیا، ایک حصہ باقی رہ گیا۔

جب بعض میں اس معنی کے سمجھنے میں توقف دیکھا تو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے علم حیض ونفاس نہیں ہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جاوے جب کہ حضرت عمر کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے اس کی نسبت خبر دی ہے اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق کو حضرت صدیق سے ہے اس انحطاط وکمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیق کو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔
پھر قیاس کرنا چاہیے کہ دوسروں کا حضرت صدیق سے انحطاط کس قدر ہوگا اور حضرات

شیخین موت کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہوگا۔ جیسا آپ علیہ والصلاۃ والسلام نے فرمایا: پس ان کی افضلیت اقربیت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے۔ ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے اور قطرہ کی کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔

ان اولیاء نے جو دعوتِ خلق کے لیے مخلوق کی طرف راجع کیے گئے ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھتے ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے نور اور اخبار صادقہ اور آثار متتابعہ سے شیخین کے کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے اور اس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو غلط خیال کرکے اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جاوے جب کہ صدر اول میں ان کی افضلیت صحیح ہو چکی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے:

قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نفاضل بینھم ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو حضرت ابوبکر صدیق کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو درجہ دیتے تھے۔ پھر ہم نبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے یعنی اُن کے درمیان ایک دوسرے کو فضلیت نہ دیتے تھے۔

اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے: قال کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل أمة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ تعالی عنھم (ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت میں سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(مکتوبات امام ربانی، ج ا حصہ چہارم، صفحہ ۵۳ تا ۵۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

وآنچہ مولانا سعد الدین در شرح عقائد النسفی درین افضلیت انصاف دانستہ است از انصاف دور است و تردیدے کہ نمودہ است بے ماحصل است چہ مقرر علما ست کہ افضلیت باعتبار کثرت ثواب نزد خدائے جل و علا اینجا مراد است نہ افضلیتے کہ بمعنی کثرت ظہور فضائل و مناقب بود کہ نزد عقلا اعتبار دارد زیرا کہ سلف از صحابہ و تابعین آن قدر فضائل و مناقب کہ از حضرت امیر نقل کردہ اند از ہیچ صحابی منقول نشدہ است حتی قال الامام احمد ماجاء لأحد من الصحابة من الفضائل ماجاء لعلی مع ذلك ہم ایشان حکم کردہ اند بافضلیت خلفاء ثلثہ پس معلوم شد کہ وجہ افضلیت دیگر

است وراء این فضائل و مناقب و اطلاع بر آن افضلیت مشاهدان دولت وحی رامیسر است کہ بصریح یا بقرائن معلوم نمودہ باشندو آن صحابۂ پیغمبر ند علیه و علیهم الصلوات والتسلیمات پس آنچہ شارح عقائد نسفی گفتہ است کہ اگر مراد از افضلیت کثرت ثواب است پس توقف راجهت است ساقط است زیرا کہ توقف راوقتے گنجایش باشد کہ آن افضلیت را از قبل صاحب شریعت صریحا أودلالة معلوم نکردہ باشندو چون معلوم کردہ باشند چرا توقف نمایند و اگر معلوم نکردہ باشند چرا حکم بافضلیت کنند وآنکہ ہمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضولی انگارد بو الفضول است عجب بوالفضولے کہ اجماع اہل حق را فضولی داند مگر لفظ فضل اورا باین فضولی بردہ است وانچہ صاحب فتوحات مکیہ گفتہ است کہ سبب ترتیب خلا فتهم مدة أعمارهم دلایت بر مساوات در فضیلت ندارد چہ امر خلافت دیگر است و مبحث افضلیت دیگر ولو سلم این و امثال این از شطحیات اوست کہ شایانِ تمسک نیست اکثر معارف کشفیۂ او کہ از علوم اہل سنت جدا افتادہ است از صواب دور است پس متابعت نکنند آن را مگر کسے کہ دلش مریض است یا مقلد صرف۔

وترتیب افضلیت درمیان خلفاء راشدین بترتیب خلافت
است اما افضلیت شیخین باجماع صحابه و تابعین ثابت شده
است چنانچه نقل کرده اند آنرا جماعه از اکابر ائمه که یکی از
ایشان امام شافعی است قال الشیخ الامام الحسن الأشعری إن
تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیة الأمة قطعی قال الذهبی وقد تو
اترعن علی ان خلافته و کرسی مملکته و بین الجم الغفیر من
شیعته أن ابابکر و عمر أفضل الأمة ثم قال ورواه عن علی کرم
الله تعالی وجهه نیف و ثمانون نفسا وعدمنهم جماعة ثم قال
فقبح الله الرافضة ماأجهلهم وروی البخاری عنه انه قال خیر
الناس بعد النبی علیه وعلی اله الصلوٰة والسلام ابوبکر ثم عمر
ثم رجل اخر فقال ابنه محمد بن الحنفیة ثم انت فقال إنما انا
رجل من المسلمین وصحح الذهبی وغیره عن علی انه قال الا وانه
بلغنی ان رجالا یفضلوننی علیهما ومن وجدته فضلنی علیهما فهو
مفتر علیه ما علی المفتری واخرج الدارقطنی عنه لا اجد احدا
فضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته جلد المفتری وامثال ذلک
منه و من غیره من الصحابة متواترة بحیث لا مجال فیها لانکار
احد حتی قال عبدالرزاق من اکابر الشیعة افضل الشیخین
بتفضیل عَلِیّ ایاهما علی نفسه والا لما فضلتهما کفی بی وزرا ان
احبه ثم اخالفه کل ذلک مستفاد من الصواعق واما تفضیل

عثمان بر علی رضی اللہ تعالی عنهما پس اکثر علماء اهل سنت
بر آنند که افضل بعد از شیخین عثمان است پس علی و مذهب
ائمه اربعه مجتهدین نیز همین است و توقفی که در افضلیت
حضرت عثمان از امام مالک نقل کرده اند قاضی عیاض گفته
که او رجوع کرده است از توقف بسوئی تفضیل عثمان و قرطبی
گفته است هو الاصح إن شاء الله تعالی و همچنین توقفی که ازین
عبارت امام اعظم رحمه الله فهمیده اند که من علامات السنة
و الجماعة تفضیل الشیخین و محبة الختنین نزد این فقیر اختیار
این عبارت را محمل دیگر است که چون ظهور فتن و اختلال
د رامور مردم در زمان خلافت حضرات ختنین بسیار شده
بود و بدلهائی مردم ازین راه کدورتی راه یافته امام این معنی
را ملاحظه فرموده در حق ایشان لفظ محبت اختیار نموده است
و دوستی ایشان را از علامات سنت ساخته بی آنکه شائبه توقف
ملحوظ بود و کیف و کتب الحنفیة مشحونة بأن أفضلیتهم علی
ترتیب خلافتهم بالجمله افضلیت شیخین یقینی است و
افضلیت حضرت عثمان دون اوست اما احوط آن سنت که
منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکه منکر افضلیت شیخین
رانیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع وضال دانیم چه علمارا در
تکفیر او اختلاف است و در قطعیت این اجماع قیل و قال واین

منکر قرین یزید بیدولت است که بواسطه احتیاط درلعن
اوتوقف کرده اند ایذائیکه بحضرت پیغمبر از راه ایذاء خلفاء
راشدین اومیرسد در رنگ ایذائے است که از راه ایذائے امامین
باو رسیده علیه و علیهم الصلوات و التسلیمات قال علیه و علی
آله الصلوة والسلام الله الله فی أصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی
فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن
آذاهم فقد اذانی ومن آذانی فقد آذی الله ومن آذی الله فیوشك ان
یأخذه وقال عزوجل ان الذین یوءذون الله ورسوله لعنهم الله فی
الدنیا والآخرة

اور افضلیت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق
ہے۔ لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے چنانچہ
بڑے بڑے ائمہ کی ایک جماعت نے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہے
اس بات کو نقل کیا ہے:

قال الشیخ الإمام أبو الحسن الاشعری أن تفضیل أبی بکر
ثم عمر علی بقیه الامة قطعی شیخ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے۔

قال الذهبی قد تواتر عن علی فی خلافته و کرسی مملکته
وبین الجم الغفیر من شیعته أن أبی بکر و عمر أفضل الأمة ثم
قال ورواه عن علی کرم الله تعالی وجهه نیف و ثمانون نفسا وعد

منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ما اجهلهم امام ذہبی رحمۃ
اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی خلافت اور مملکت کی کرسی کے
زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جم غفیر کے درمیان یہ بات بطریق
تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تمام امت میں سے افضل ہے۔
پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ
آدمیوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔ پھر
فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا حال کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔

وروی البخاری عنه انه قال خیر الناس بعد النبی علیه و
علی آله الصلوة والسلام ابوبکر ثم عمر ثم رجل اخر فقال ابنه
محمد بن الحنفیة ثم انت فقال إنما أنا رجل من المسلمین اور بخاری
نے ان سے روایت کی ہے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں
سے بہتر حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پھر ایک اور شخص۔ سو آپ
کے بیٹے حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ۔ فرمایا ”میں تو مسلمانوں میں سے ایک
مسلمان شخص ہوں۔“

وصح الذهبی وغیره عن علی انه قال ألا وإنه بلغنی أن رجالا
یفضلوننی علیهما ومن وجدته فضلنی علیهما فهو مفتر علیه ما
علی المفتری امام ذہبی اور آپ کے علاوہ محدثین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے ثبوتِ صحت سے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے
ان دونوں (شیخین کریمین) پر فضیلت دیتے ہیں اور جس کو میں پاؤں گا کہ مجھے ان پر

فضلیت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو مفتری کی ہوتی ہے۔

وأخرج الدار قطنی عنه لا أجدُ أحداً فضلنی علی ابی بکر و عمر إلا جلدته جلد المفتری اور دارقطنی نے آپ سے روایت کی ہے کہ جس کو میں دیکھوں کہ مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر فضلیت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اور آپ کے علاوہ بہت سے صحابہ سے متواتر آئی ہیں، جن میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے، حتیٰ کہ شیخ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے (رافضی نہ تھے فقط شیعی تھے) کہا ہے کہ افضل الشیخین بتفضیل عَلِیٍّ ایاھما علی نفسه وإلّا لما فضلتھما کفی بی وزرا ان احبه ثم اخالفه میں شیخین کو اس لیے فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے اوپر ان کو فضیلت دی ہے ورنہ میں ان کو کبھی فضیلت نہ دیتا مجھے یہی گناہ کافی ہے کہ میں اس کو دوست رکھوں اور پھر اس کی مخالفت کروں۔ کل ذلك مستفاد من الصواعق یہ سب کچھ "صواعق موقہ" سے لیا گیا ہے۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو اکثر اہل سنت اس بات پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمان ہیں۔ حضرت علی اور آئمہ اربعہ مجتہدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ توقف جو حضرت عثمان کی فضیلت میں امام مالک سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک نے توقف سے حضرت عثمان کی تفضیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ هو الاصح إن شاء الله تعالی یہی درست ہے اور ایسے

ہی وہ توقف جو بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ من علامات السنة والجماعة تفضیل الشیخین ومحبة الختنین شیخین کی تفضیل اور ختنین کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے۔ چونکہ حضرات ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (دو دامادِ رسول) کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ و فساد لوگوں میں بہت ظاہر ہو گیا تھا اور اس سبب سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت آ گئی تھی۔ اس لیے امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو مدنظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو اہل سنت کی علامات سے فرمایا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو اور ہو بھی کیونکر جب کہ کتب احناف اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں کہ ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

الغرض شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمان کی افضلیت اس سے کمتر ہے لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں۔ کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل وقال ہے ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ وہ رنج جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین کو تکلیف پہنچانے سے پہنچا ہے۔ وہ بعینہ اسی ایذا کی طرح ہے جو امامین حسنین کریمین کو (یزید کی طرف سے) تکلیف پہنچانے کی جہت سے پہنچی ہے علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات۔

قال علیه الصلوة والسلام الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم

غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم و من ابغضهم
فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذنی فقد اذی الله
ورسوله فیوشك ان یأخذه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا
میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ جس
نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس
نے ان سے بغض کیا اس نے گویا مجھ سے ہی بغض رکھنے کے باعث ان سے بغض رکھا
اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا مجھے ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے
اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ اور رسول کو ایذا دی تو وہ اس کی پکڑ خود فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الذین یوذون الله ورسوله لعنهم الله فی
الدنیا والأخرة (الاحزاب:۵۷) وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں
ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اس افضلیت کے حق
میں انصاف سمجھا ہے۔ وہ انصاف سے دور ہے اور وہ تردید جو انہوں نے کی ہے وہ
سراسر لاحاصل ہے کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ
مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو
فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ایسی افضلیت
عقل مندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر
فضائل و مناقب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت نقل کیے ہیں اور کسی صحابی کی نسبت
منقول نہیں ہیں، حتی کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ما جاء لاحد من

الصحابة من الفضائل ما جاء لعلی رضی الله تعالی عنه (اور جو فضائل
حضرت علی کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے) اور باوجود
اس امر کے امام مذکور نے خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ
افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور ہے اور اس افضلیت پر اطلاع پانا
دولت وحی کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صریح طور پر قرائن سے معلوم
کی ہے اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں۔

سو جو کچھ شارح عقائد نسفی نے کہا ہے کہ اگر مراد افضلیت سے کثرت ثواب ہے، تو
پھر توقف کی جہت ساقط ہے۔ کیونکہ توقف کی اسی وقت گنجائش ہوتی ہے جب کہ اس
افضلیت کو صاحب شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا دلالت کے طور پر معلوم نہ کیا ہو
اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں توقف کریں اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک کو
دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے۔ وہ بوالفضول اور احمق ہے وہ کیسا عجب بوالفضول
ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو اس فضولی کی طرف لے
گیا ہے اور یہ جو صاحب "فتوحات مکیہ" نے کہا ہے کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان
کی عمروں کی مدت ہے فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ خلافت الگ امر
ہے اور افضلیت کی بحث علیحدہ شئی ہے۔ اور اگر مان بھی لیں تو یہ بات اور اس قسم کی اور
باتیں ان کے شطحیات کی قسم سے ہیں، جو تمسک کے لائق نہیں ہیں کہ ان کے اکثر کشفیہ
معارف جو اہل سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں، صواب اور بہتری سے دور ہیں۔
ایسی باتوں کی وہی شخص متابعت کرتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلد محض ہے۔

(مکتوبات امام ربانی، جلد ۱، حصہ چہارم، صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

۱۔ حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت مبارکہ سے اجماع کے منعقد ہونے کے بعد اسے تسلیم کرنے والے پر انکار کی صورت میں حکم تضلیل و تفسیق وارد ہوا۔

۲۔ اور توقف کرنے والے حضرات اشعریہ کا خود ماتریدی ہونے کے ناطے دلائل سے رد فرمایا جیسا کہ مکتوبات شریف کے دیگر مقامات میں تمہید ابو شکور سالمی اور علامہ تورپشتی ایسے حنفی ماتریدی حضرات القدس کی کتب سے مسئلہ کا حل فرماتے ہیں اور ان حضرات علیہم الرحمہ کی تائید میں کلمات توثیق بھی فرماتے ہیں۔

۳۔ کشفی اعتبارات سے افضلیت مولیٰ علی بر حضرت ابو بکر صدق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ماننے والوں کو غلطی لگنے کی وجہ بیان فرمائی۔

۴۔ اس مسئلہ کو قطعی فرمایا اور تمہیدات میں ذکر ہو چکا کہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے بھی اسے قطعی ذکر فرمایا۔

دونوں عبارتوں کا مفہوم ہے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے نہیں کہ جس کا منکر کافر ہو بلکہ ضروریات عقائد اہل السنت سے ہے۔ جس کا منکر گمراہ و بدعتی ہے وہ بھی اجماع کو تسلیم کرنے کی صورت میں اور حنفی ماتریدی اس اجماع کو ضرور تسلیم کرنے والا ہوتا ہے۔

اس اجماع کو قطعی کہنا اجماع سکوتی کی طرح ہے کہ "اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے اگر چہ یہ ادلہ قطعیہ سے ہو"۔

(i۔ نور الانوار، مبحث الاجماع، ص ۲۲۳، مطبوعہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

(ii۔ فتح الغفار علی المنار، ص ۳۵۱، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ)

سو قطعیت کا مصداق واضح ہو گیا اور عبارت بے غبار ہو گئی۔

افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب اجماع منعقد ہو گیا تو اس نے اس امر کو واضح کر دیا کہ فضائل دلائل کی اہمیت اب افضلیت میں ہو گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت قطعی ہے۔

۲۔ آپ "ثانی اثنین" کے اطلاق کے باعث ہر مقام میں اس درجہ کے لائق ہیں۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی اس آیہ کریمہ کے تحت امام رازی علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا۔

۳۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اجماع و اتفاق کرنے والے حضرات کی بعد والے حضرات کی بہ نسبت تعداد زیادہ ہے، جو باعث شرف فضل ہے۔

اجماع کے علاوہ من حیث الدلائل اجماع کا ورود بھی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے نزدیک مفید قطعیت ہے چنانچہ آپ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

وفضلیت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی است و آنچہ بعضے نوشتہ اند چنانچہ امام رازی و آمدی و غیرہما من علماء الکلام نیز صحیح و درست است تفصیلش آنکہ نظر بہر یک از ادلۂ تفصیل ظنی است زیرا کہ خبر احاد مفید ظن است و آنچہ در کلام اللہ تعالیٰ کہ متواتر است واقع شد مثل **لا یاتل اولوالفضل منکم وسیجنبها الاتقی الذی وغیر ذلک محتمل** التاویل است فلا یفید القطع اما چوں مجموع ادلہ را من المجموع ملاحظہ کردہ شود مفید قطع میگردد و بسا است

که هر دلیل مفید ظن گردد و مجموع دلائل مفید قطع
میگردد کما فی الخبر المتواتر فان الاحاد لایفید الا الظن و
مجموعها اذا بلغت حد التواتر یفید القطع کذا هذا

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت قطعی ہے اور وہ جو بعض
حضرات مثلاً امام رازی آمدی اور ان دونوں کے علاوہ علماء کلام نے لکھا ہے وہ بھی
صحیح و درست ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ادلہ تفصیلیہ میں سے ہر ایک کی طرف نظر کی
جائے تو یہ ظنی ہیں کیونکہ اخبار آحاد مفید ظن ہوتی ہیں اور وہ جو قرآن مجید میں حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں متواتر واقع ہوا مثلاً لایاتل اولوا الفضل
منکم اور وسیجنبها الأتقی الذی اور اس کے علاوہ آیات بینات وہ محتمل
التاویل ہیں۔ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں البتہ أدلہ کا مجموعہ من حیث المجموع لحاظ کیا
جائے تو قطعیت کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ ہر وہ دلیل جو مفید ظن ہو پھر جب
دلائل مفید کا مجموع ہو تو قطعی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خبر متواتر میں کیونکہ اخبار احاد ظن کا ہی
فائدہ دیتی ہیں اور ان کا مجموع جب حد تواتر کو پہنچ جائے تو قطعیت کا فائدہ دیتا ہے اسی
طرح یہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔

(فتاویٰ عزیزی، ج ۱، ص ۱۰۰، مطبوعہ رحمن گل پبلشرز محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے شرح عقائد کی عبارت "والجمع بین
قولهم لایکفر احد من اهل القبلة وقولهم یکفر من قال بخلق
القران أو استحالة الرؤیة أوسب الشیخین أولعنهما وأمثال
ذلك مشکل" کے تحت رقمطراز ہیں:

یعنی متکلمین کے قول "اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی" اور متکلمین
کے قول "جس نے قرآن کے مخلوق ہونے یا جنت میں دیدار الٰہی کے محال ہونے یا
حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی گستاخی کی یا ان پر لعنت کی
یا اس جیسے دیگر امور مثلاً حوض کوثر، پل صراط اور میزان کا انکار کیا وہ کافر ہے۔" کے
درمیان تطبیق دینا مشکل ہے۔ (علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ اس اشکال کے بارے
فرماتے ہیں) اس اشکال کو چند طریقوں سے اٹھایا جا سکتا ہے:

۱۔ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنا امام اہل سنت شیخ ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ اور آپ کے
پیروکار متکلمین کا مذہب ہے اور یہی "منتقی" میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے
مروی ہے۔ اور تکفیر کرنا فقہاء کا مذہب ہے لہٰذا دونوں نقیضوں کے قائل کے
عدم اتحاد کی وجہ سے اشکال نہ رہا۔

۲۔ ادلہ قطعیہ کتاب وسنت اور اجماع سلف صالحین اس پر دلالت کرتے ہیں کہ
قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دیدار الٰہی واقع ہوگا اور شیخین کا شرف عظیم ثابت
ہے پھر جس نے اس جیسی قطعیات کا انکار کیا تو اس کی اہل قبلہ سے ہونے کی
تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (یعنی وہ اہل قبلہ سے ہے ہی نہیں)

۳۔ یہاں تکفیر، تہدید اور تغلیظ کے پیش نظر ہے جو اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ (اور
عدم تکفیر، عدم تہدید وتغلیظ کی وجہ سے ہے)

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۵۷۲، مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

اس عبارت میں رفع اشکال کی پہلی وجہ کفر فقہی اور کفر کلامی کے درمیان فرق کو واضح
کر رہی اور یہی وجہ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ نے بھی لکھی اور میر سید شریف جرجانی

نے بھی لکھی اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے شرح فقہ اکبر میں اس کو یوں بیان فرمایا:

واختار الرازی أن لایکفر أحد من أهل القبلة و قد أجیب عن الإشکال بأن عدم التکفیر مذهب المتکلمین والتکفیر مذهب الفقهاء فلا یتحد القائل بالنقیضین فلا محذور ولو سلم فیجوز أن یکون الثانی للتغلیظ فی ردما ذهب إلیه المخالفون والأول لإحترام شان أهل القبلة فإنهم فی الجملة معنا موافقون.

یعنی امام رازی علیہ الرحمہ نے اہل قبلہ میں سے کسی ایک کو بھی کافر قرار دینے کو اختیار فرمایا اور تحقیق اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مذہب ہے اور تکفیر کرنا فقہاء کا مذہب ہے لہٰذا قائل دو نقیضوں کے ساتھ متحد نہ ہوا تو کوئی مضائقہ نہ پایا گیا اور اگر تسلیم کرلیا جائے۔

تو جائز ہے کہ تکفیر کا قول مخالفین کے مذہب کو رد کرنے میں تغلیظ اور سختی کی بنا پر ہوتا ہے اور عدم تکفیر کا قول اہل قبلہ کی احترام شان کے پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ وہ جملہ امور میں ہمارے ساتھ موافقت کرنے والے ہیں۔"

(شرح فقہ اکبر ص ٢٥٨ مطبوعہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

اس عبارت سے کچھ پہلے ملا علی قاری علیہ الرحمہ مذکورہ اشکال کا حل یوں پیش فرماتے ہیں:

وجه الإشکال عدم المطابقة بین المسائل الفرعیة والدلائل الأصولیة التی من جملتها إتفاق المتکلمین علی عدم تکفیر أهل القبلة المحمدیة و یدفع الإشکال بأن نقل کتب

الفتاوی مع جهالة قائله و عدم إظهار دلائله لیس بحجة من ناقله. اذ مدار الإعتقاد فی المسائل الدینیة علی الأدلة القطعیة علی أن فی تکفیر المسلم قد یترتب مفاسد جلیة وخفیة فلا یفید قول بعضهم إنما ذکروه بناء علی الأمور التهدید و التغلیظ.

یعنی وجہ اشکال مسائل فرعیہ اور ان دلائل اصولیہ کے درمیان عدم مطابقت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ متکلمین کا اہل قبلہ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی تکفیر نہ کرنے پر اتفاق ہے اور اشکال کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ کتب فتاویٰ (جو مسائل فرعیہ پر لکھی گئی ہیں) سے مسئلہ کو اس کے قائل کی جہالت اور دلائل کو ظاہر نہ کرنے کے ساتھ نقل کرنا یہ مسئلہ نقل کرنے والے کی طرف سے حجت نہ ہوگی کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار ادلہ قطعیہ پر ہے۔ کیونکہ مسلمان کی تکفیر کبھی مفاسد جلیہ اور خفیہ پر مترتب ہوتی ہے سو بعض حضرات نے یہ جو قول پیش کیا ہے کہ "مسلمان کی تکفیر، تہدید و تغلیظ امور پر ہے" کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (شرح فقہ اکبر ص ٢٥٧ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

اس سے کچھ آگے ملا علی بن سلطان قاری علیہ الرحمہ فیصلہ کن عبارت ذکر فرماتے ہیں:

ثم اعلم أن المراد بأهل القبلة الذین اتفقوا علی ما هو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم الله بالکلیات و الجزئیات وما أشبه ذلك من المسائل فمن واظب طول عمره علی الطاعات و العبادات مع اعتقاد قدم العالم أو نفی الحشر أو نفی علمه سبحانه بالجزئیات لایکون من أهل القبلة وأن المراد بعدم تکفیر أحد من أهل القبلة عند أهل السنة أنه

لا يكفر مالم يوجد شئى من أمارات الكفر وعلاماته، ولم يصدر
عنه شئى من موجباته فإذا عرفت ذلك فاعلم أن اهل القبلة
المتفقون على ماذكرنا من أصول العقيدة اختلفوا فى أصول أخر
كمئسلة الصفات وخلق الأعمال وعموم الإرادة وقدم الكلام
وجواز الروية ونحو ذلك ممالانزاع فى أن الحق فيها واحد واختلفوا
أيضا هل يكفر المخالف للحق بذلك الإعتقاد والقول به على
وجه الإعتماد أم لا؟ فذهب الأشعرى وأكثر أصحابه إلى أنه ليس
بكافر وبه يشعر ماقاله الشافعى رحمه الله تعالى لاأرد شهادة أهل
الاهواء إلا الخطابية لإستحلالهم الكذب وفى المنتقى عن أبى
حنيفة رحمه الله تعالى لم نكفر أحدا من أهل القبلة وعليه أكثر
الفقهاء ومن أصحابنا من قال بكفر المخالفين

پھر تو جان لے کہ "اہل قبلہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ضروریات دین پر اتفاق کیا۔ جیسا کہ حدوث عالم حشر اجساد اور اللہ تعالیٰ کو کلیات و جزئیات کا علم اور جو اس کے مشابہ مسائل ہیں۔ پھر جس نے اپنی ساری طاعات وعبادات پر مواظبۃ رکھی لیکن ساتھ ساتھ عالم کے قدیم ہونے، حشر کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کی نفی کرتا رہا تو وہ اہل قبلہ سے نہیں ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک امارات کفر اور اس کی علامات میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے۔ اور نہ ہی مقتضائے کفر سے کوئی شئی صادر ہو۔ پھر جب تو نے یہ پہچان لیا تو اب جان لے کہ جن

اصول عقیدہ کو ہم نے ذکر کیا اہل قبلہ نے اس پر اتفاق کیا ہے اور اختلاف فروع عقیدہ کے مسائل میں ہے۔ جیسا کہ صفات باری تعالیٰ، خلق اعمال، عموم ارادہ، جواز رؤیت باری تعالیٰ اور اس جیسے دیگر وہ مسائل کہ جس میں اس بارے قطعاً نزاع نہیں کہ حق اس میں ایک ہی مذہب میں ہوگا۔ پھر اس میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا حق کی مخالفت کرنے والے کو اس اعتقاد کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا اور اس بارے قول علی وجہ الاعتماد ہے یا نہیں؟ امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ اور آپ کے اکثر اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہے اور اسی قول کی طرف امام شافعی کا فرمان اشارہ دیتا ہے۔ جو آپ نے فرمایا "میں اہل ہواء کی گواہی کو رد نہیں کرتا مگر فرقہ خطابیہ کہ وہ جھوٹ کو مباح سمجھتے ہیں۔" اور منتقی میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے بھی ایسی روایت ہے کہ "ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اس پر اکثر فقہاء کرام اور ہمارے اصحاب میں سے بعض نے مخالفین کے کفر کا قول کیا۔

(شرح فقہ اکبر ص ۲۵۸، مطبوعہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

اس مفہوم پر مشتمل عبارت شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ نے اور شرح مواقف کے حاشیہ علامہ سیالکوٹی علیہ الرحمہ نے بھی نقل کی ہے اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے ضروریات دین کے منکر کو قطعی کافر قرار دینے کے بعد چند اصول عقیدہ اور فروع عقیدہ کے حوالے سے کلام شرح مقاصد سے نقل فرمایا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ درمختار کی عبارت (ومبتدع) أى
صاحب بدعة وهى إعتقاد خلاف المعروف عن الرسول
لا بمعاندة بل بنوع شبهة وكل من كان من قبلتنا (لايكفربها)

حتی الخوارج الذین یستحلون دماءنا وأموالنا وسب أصحاب
الرسول، وینکرون صفاته تعالی و جواز رؤیته لکونه عن تاویل
وشبهة بدلیل قبول شهادتهم، إلا الخطابیة و منامن کفرهم
(وإن) أنکر بعض ما علم من الدین ضرورة (کفربها) کقوله إن
الله تعالی جسم کالأجسام و إنکاره صحبة الصدیق (فلا یصح
الإقتداء به أصلا) فلیحفظ۔

اور بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور بدعت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم سے جو پہنچایا گیا ہے اس کے خلاف کا اعتقاد رکھنا، ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ
سے نہیں بلکہ شبہہ کی وجہ سے (البتہ اگر ایسے ادلہ قطعیہ جن میں اصلاً شبہہ نہیں ہوتا ان کو
عناد پرستی کی وجہ سے نہ مانے جیسا کہ حشر کا انکار یا حدوث عالم یا ایسے دیگر عقائد تو وہ پکا
کافر ہے اور اگر اسے کوئی شبہہ لاحق ہوتا ہے اگرچہ وہ شبہہ فاسد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ
رویۃ باری تعالیٰ کا منکر کا کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جلالت وعظمت کی وجہ سے نہیں دیکھا
جاسکتا۔ تو وہ کافر نہ ہوگا۔ ۱۲ شامی)

اور ہر وہ جو ہمارے قبلہ سے ہے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی حتی کہ ان خوارج کو
بھی کافر نہیں کہا جائے گا جو ہمارے خونوں اور مالوں کو حلال سمجھتے ہیں اور وہ جو (شیخین
کے علاوہ ۱۲ شامی) حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابہ کی گستاخی کریں اور صفات باری
تعالیٰ اور رؤیت باری تعالیٰ کے جواز کا انکار کریں کیونکہ یہ عقیدہ تاویل اور شبہہ کی وجہ
سے ہے۔ (ان کا کافر نہ ہونا) اس دلیل سے ہے کہ ان کی گواہی مقبول ہے مگر فرقہ خطابیہ
کی اور ہم میں سے بعض نے ان کی تکفیر کی اور اگر اس نے ضروریاتِ دین کے

معلومات میں سے بعض کا انکار کیا تو اس وجہ سے کافر ہو جائے گا جیسا کہ کہنا "اللہ تعالیٰ دیگر
اجسام کی طرح ایک جسم ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار
کرنا لہٰذا اس عقیدہ کو رکھنے والے کی اقتداء اصلاً جائز نہیں اس عمدہ بحث کو محفوظ کرلے۔"

اس کے تحت علامہ سید ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ "فتاویٰ شامی" میں رقمطراز ہیں:

قول (لکونه عن تاویل......الخ) علة لقوله "لایکفربها" قال
المحقق ابن الهمام فی أواخر التحریر: وجهل المبتدع کالمعتزلة
مانعی ثبوت الصفات زائدة و عذاب القبر والشافعة و خروج
مرتکب الکبیرة و الرؤیة لایصلح عذراً لوضوح الأدله من
الکتاب و السنة الصحیحة لکن لایکفر إذ تمسکه بالقران
أوالحدیث أوالعقل وللنهی عن تکفیر أهل القبلة والإجماع علی
قبول شهادتهم ولاشهادة لکافر علی مسلم وعدمه فی الخطابیة
لیس لکفرهم أی: بل لقدینهم شهادة الزور لمن کان علی رایهم
أوحلف انه مح، وأور دأن استباحة المعصیة کفر، أحبیب إذا کان
عن مکابرة وعدم دلیل بخلاف ماعن دلیل شرعی والمتبدع
مخطی فی تمسکه لامکابر والله اعلم برائر عبادهاه.

یعنی ماتن صاحب درمختار کا قول "انکار تاویل کی وجہ سے ہے" یہ ماتن علیہ الرحمہ
کے قول "کافر نہ ہونے کی علت ہے"۔

محقق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ نے "التحریر" کے آخر میں فرمایا:

یعنی بدعتی جاہل ہے جیسا کہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کے ثبوت کو ایک زائد ام.

ماننے کی وجہ سے مانع ہیں اور عذاب قبر، شفاعت، مرتکب کبیرہ کا اسلام سے نکلنا اور دیدار الٰہی کا انکار کرنے والے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ایسے واضح ادلہ کی وجہ سے عذر کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن ان کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کی دلیل قرآن، حدیث یا عقل سے ہے اور ہم کو اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی گواہی قبول ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی مقبول نہیں اور فرقہ خطابیہ کی گواہی قبول نہ کرنا ان کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی رائے کے مطابق جھوٹی گواہی کو انہوں نے اپنے موقف کا حصہ بنایا ہے یا وہ خود کو سچا سمجھتے ہوئے قسم کھاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معصیت کو مباح سمجھنا کفر ہے (تو پھر کیسے خطابیہ فرقہ اہل قبلہ میں سے رہا؟) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معصیت کو مباح سمجھنے سے کفر اس وقت لازم آتا ہے جب وہ ہٹ دھرمی اور بغیر دلیل کے ایسا کرے بخلاف اس کے جو دلیل شرعی سے ہو اور بدعتی اپنی دلیل اختیار کرنے میں خطاور ہوسکتا ہے مکابر اور ہٹ دھرم نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔"

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام، ج ۲ ص ۳۵۷، ۳۵۸، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور)

علامہ شامی علیہ الرحمہ کے بیان میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ضروریات دین کے منکر کے علاوہ فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والا کو اس وقت تک کافر نہیں کہہ سکتے جب تک وہ دلیل سے بات کرتا ہے کلمہ گو کی وہ دلیل خواہ کتاب اللہ و سنت رسول سے ہو یا عقل سے ہو اس کا لحاظ ہوگا۔ پھر جب دلیل میں ان کا مکابر و معاند ہونا معلوم ہو جائے

تو حکم شرعی نوعیت مسئلہ کے مطابق وارد کیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح شرح مواقف میں علامہ میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ کی عبارت کرتی ہے۔

"إن الشيخ ابا الحسن قال فی أوائل كتاب مقالات الاسلاميين اختلف المسلمون بعد نبيهم عليه السلام فی اشياء ضلل بعضهم بعضا و تبرأ بعضهم عن بعض فصاروا فرقا متباينين إلا أن الإسلام يجمعهم ويعمهم فهذا مذهبه وعليه أكثر أصحابنا."

یعنی شیخ ابوالحسن علیہ الرحمہ نے "کتاب مقالات الاسلامیین" کے آغاز میں فرمایا "مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے بعد کئی چیزوں میں اختلاف کیا ان میں سے بعض نے بعض کو (اپنی فہم کے مطابق) گمراہ قرار دیا اور بعض نے بعض سے برأت کا اظہار کیا سو وہ آپس میں جدا جدا ہو کر فرقوں میں بٹ گئے مگر یہ کہ اسلام ان کو جمع کر دے گا اور ان سب کو اسلام شامل ہے، یہ مذہب آپ کا ہے اور اس پر ہمارے اکثر اصحاب ہیں۔

(شرح مواقف، ج ۴، حصہ نمبر ۸، ص ۳۷۰، مطبوعہ النوریۃ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

اسی بنا پر امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں:

اعلم يا أخی أن الكل لايحاولون إلا التقديس و التعظيم و سمعت الشيخ الإمام الوالدضياء الدين عمر ابن حسين رحمة الله تعالى قال: سمعت الشيخ أبا القاسم سليمان بن ناصر الأنصاری يقول: نظر أهل السنة على تعظيم الله فی جانب القدرة و نفاذ المشية ونظر المعتزلة على تعظيم الله فی جانب العدل و البراءة

عن فعل مالا ينبغي فإذا تأملت علمت أن أحدا لم يصف الله إلا
بالتعظيم والإجلال والتقديس و التنزيه و لكن منهم من
أخطاء و منهم من أصاب ورجاء الكل متعلق بهذه الكلمة وهي
قوله "وربك الغني ذو الرحمة".

"اے بھائی تو جان کہ سب (تمام کلمہ پڑھنے والے) اللہ رب العزت کی تقدیس
وتعظیم کا ہی ارادہ رکھتے ہیں۔ اور میں نے اپنے والدگرامی شیخ امام ضیاء الدین عمر ابن
حسین علیہ الرحمہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں نے شیخ ابوالقاسم سلیمان ابن ناصر انصاری
علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: "اہل سنت و جماعت کی نظر، اللہ رب العزت کی
جانب قدرت اور نفاذِ مشیت میں تعظیم پر ہے اور معتزلہ کی نظر اللہ کی تعظیم پر جانب عدل
اور اللہ تعالیٰ کے لیے نامناسب فعل سے براۃ میں ہے پھر جب تو تامل اور غور وفکر
کرے گا تو جان لے گا کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو تعظیم واجلال اور تقدیس و
تنزیہ کے علاوہ کسی وصف کے ساتھ موصوف نہیں کرتے لیکن ان میں سے بعض نے خطا
کی اور بعض نے درست راہ کو پایا اور کل کی امید اسی کلمہ کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اللہ
رب العزت کا فرمان ہے وربك الغنى ذو الرحمة" اور تیرا بے نیاز رب بڑی
رحمت والا ہے۔"

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۵۵ تحت سورۃ الانعام آیہ نمبر ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ اردو بازار لاہور)

التزام ولزوم کا مسئلہ

سو یہاں تک خلاصہ مسئلہ یہ واضح ہوا کہ اگر توقف بشرط شئی کے درجہ میں فیصلہ بن
کر لازم ہو تو وہ درست نہیں اور اگر لابشرط شئی کے درجہ میں عمومی اعتبار سے ہو تو شیخ

شہاب الدین علیہ الرحمہ اور ایسے دیگر احباب کے کلام کو اس شق پر محمول کرتے ہوئے
درست قرار دیں گے جس کا آسان مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی بحث میں داخل ہونے کی
ابتداء ہی نہ کرے اور اگر داخل ہو تو علماء ماتریدیہ کا موقف عدم توقف میں واضح ہے۔

اب پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا مفہوم یہ سمجھ آیا
کہ اگر کوئی مطلقاً لابشرط شئی کے درجہ پر سکوت وتوقف کرے تو کوئی مضائقہ ہے نہ حرج
لیکن فیصلہ کرنے کی صورت میں ماتریدی ہونے کے اعتبار سے افضلیت سیدنا ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضح کرنا ہوگی اور وہ قبلہ شاہ صاحب نے "زبدۃ التحقیق" کے صفحہ
نمبر ۲۲ پر واضح لفظوں میں ارشاد فرمادیا کہ "چونکہ ہم لوگ بھی افضلیت ابوبکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا چشم ماروشن دل ماشاد۔" جیسا کہ سائل نے سوال
نامہ میں بھی اس کی طرف وضاحت کی ہے۔

پھر صفحہ نمبر ۳۵۶ پر رقمطراز ہیں:

"(ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملتی تھی)
اس جملے سے انہوں نے جمہور علمائے اہل سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے مگر یہ ان کا
حسن عقیدت ہے جیسا کہ میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں۔"

اور یہ مخفی نہ رہے کہ قبلہ شاہ صاحب کا اس مسئلہ میں تحقیق پیش کرنا متشددین کی شدت
کو رفع کرنا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے تمہید نمبر ۱۲ میں اشارہ دیا۔ جس کی واضح دلیل
اس کتاب کے لکھنے پر غیر ذمہ دارانہ طریقے سے ان پر کفر کا فتویٰ لگنا ہے۔ بندہ ناچیز
کے سامنے جو حق سمجھا گیا اسے پیش کر دیا۔ قبلہ شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے جو تحقیق
فرمائی ہم نے اس میں اپنی بساط کے مطابق جو مفہوم ہوا اس کے مطابق وضاحت کر

دی۔لیکن شاہ صاحب پر حکم تکفیر وارد کرنے والے مفتی محمود حسین شائق ہاشمی نقشبندی مجددی صاحب نے اس مسئلہ میں ناصواب راہ اختیار کی ہے، نہ تو لزوم کفر بیان کیا اور نہ التزام کفر پر کوئی صراحت پیش کی، کاش اس بارے یہ مفتی مجددی صاحب حضور مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا موقف و دلیل ہی دیکھ لیتے۔

اب ان مفتی صاحب کے بارے حکم شرعی یہ ہے کہ اگر یہ صرف ادارے کے مہتمم ہونے کے ناطے مفتی کہلاتے ہیں تو براہ مہربانی اپنے دارالافتاء کی ذمہ داری سے خود کو دستبردار کریں اور کسی اہل شخصیت کو اس منصب پر رونق افروز کریں۔اور اگر واقعتہً آپ نے کسی مشاق استاذ سے تخصص فی الفقہ کے اصول و قواعد میں مشق فرمائی ہے اور انہوں نے آپ کو اجازت بھی مرحمت فرمائی ہے تو پھر یا تو سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی کے لزوم کفر و التزام کفر پر صراحت سے دلائل و مواد پیش کریں یا اپنے اس غلطی پر مبنی تکفیری فتویٰ سے رجوع کریں۔اگر آپ اس بارے سکوت کریں یا مکابرہ وعناد سے کفر ثابت کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً کسی مسلمان کو کافر قرار دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یہاں قطعی و کلامی کفر تو درکنار ظنی و فقہی کفر کا وجود بھی نہیں ہے۔وجود تو تب ہوتا ہے اگر اس کا کوئی ایک صریح احتمال بھی پایا جاتا۔مذکور مفتی صاحب نے تو شاہ صاحب پر بلاوجہ شرعی حکم تکفیر عائد فرما دیا ہے۔ذرا اکابر کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس طرح حکم تکفیر میں احتیاط برتتے تھے۔

چنانچہ حضرت علامہ بحر العلوم عبدالعلی محمد ابن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی علیہ الرحمہ "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں رقمطراز ہیں:

(مسألة: إنكار حكم الإجماع القطعي) وهو المنقول متواتراً

من غير استقرار خلاف سابق عليه (كفر عند أكثر الحنفية وطائفة) ممن عداهم لأنه إنكار لما ثبت قطعاً أنه حكم الله تعالى (خلافاً لطائفة) قالوا: حجيته وإن كان قطعياً لكنها نظرية. فدخل في حيز الإشكال من حيز الظهور كالبسملة (ومن ههنا) أي من أجل أن إنكار حكمه ليس كفراً (لم تكفر الروافض) مع كونهم منكرين لخلافة خليفة رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه و سلم حقا، وقد انعقد عليه الإجماع من غير ارتياب، وهذا بظاهره يدل على أن عدم تكفيرهم مخصوص بمن لا يرى انكار حكم الإجماع كفراً. وأما عند من يرى إنكاره كفراً فهم كافرون، وليس الأمر كذلك، فإن الصحيح عند الحنفية أنهم ليسوا بكفار حتى تقبل شهادتهم إلا الخطابية وقد نص الإمام على عدم تكفير أحد من أهل القبلة، والشيخ ابن الهمام وإن كان ميله في "فتح القدير" في مسألة إمامة المبتدعة إلى التكفير لكن قال في كتاب الخراج بعدم تكفيرهم، وما روى عن الإمامين الهمامين أبي حنيفة والشافعي من عدم جواز الصلاة خلفهم فليس لكفرهم كما زعم هو، بل لأنهم ينكرون الجماعة والإمامة، فلا ينوون الصلاة لله تعالى عند إمامتهم، وبفقدان النية تبطل صلاتهم فتبطل صلاة المقتدين، ولأن بدعتهم لما اشتدت إلى أن وصلت قريبا إلى الكفر أورثت شبهة في إيمانهم

وقويت فمنع من الاقتداء بهم، وحكم بفساد صلاة من اقتدى
بهم. وفى "البحر الرائق" حقق بتفصيل بليغ أن تكفير الروافض
ليس مذهباً لأئمتنا المتقدمين وإنما ظهر فى أقوال المتأخرين.
فالوجه فى عدم تكفيرهم أن تدينهم أوقع فيما أوقع، فهم إنما
وقعوا فيما وقعوا زعما منهم أنه دين محمدى وإن كان زعمهم هذا
باطلا بيقين غير مشوب باحتمال ريب فيهم وما كذبوا محمدا صلى
الله عليه وعلى آله وأصحابه وسلم فى زعمهم فهم غير ملتزمين
الكفر، والتزام الكفر كفر دون لزومه. وأما إنكارهم المجمع
عليه وإن كان إنكار جلى ونشا من سفاهة لكن ليس إنكاراً مع
اعترافهم أنه مجمع عليه، بل ينكرون كونه كذلك لشبهة نشأت
لهم، وإن كانت باطلة فى نفس الأمر، وهى زعمهم أن أمير
المؤمنين عليا إنما بايع تقية وخوفا وإن كان هذا الزعم منهم
باطلا مما يضحك به الصبيان وأمير المؤمنين على برىء عن نحو
هذه التقية الشنيعة، والله هو برىء لاريب فى أنه برىء، فهذه
الشبهة وإن كانت شبهة شيطانية وإنما جرأهم عليها الوساوس
الشيطانية، لكنها مانعة عن التكفير، وإنما الكفر إنكار المجمع
مع اعترافه أنه مجمع عليه من غير تأويل، وهل هذا إلا كما إذا أنكر
المنصوص بالنص القطعى بتأويل باطل، وهو ليس كفراً. كذا
هذا، ومن ههنا ظهر لك سر عدم تكفير الخوارج مع أنهم ينكرون

ما أجمع عليه قطعاً من فضائل أمير المؤمنين على، وينسبونه إلى
الكفر مع أن إيمانه وفضائله ثابتة كالشمس ومجمع عليه إجماعاً
قطعياً، ومن إنكار عصمة مال المسلمين ودمائهم، ويجوزون
قتلهم ونهبهم، وقد روى الإمام محمد أن أمير المؤمنين كان لا
يمنعهم عن الصلاة فى المسجد وقال: أنا لا أمنعكم عن
المساجد تذكرون فيها اسم الله تعالى. فافهم واحفظ (وضروريات
الدين) كالصوم والصلاة والزكاة والحج والجهاد ووجوب الصلاة
إلى الكعبة الشريفة (خارجة) عن هذا الاختلاف (اتفاقا) فإنه
كفر البتة اتفاقا

یعنی اجماع قطعی کے حکم کا انکار'' اور وہ جو کسی قسم کے سابق اختلاف کے مستقر
ہونے کے بغیر متواتر ہو'' اکثر احناف اور ایک گروہ کے نزدیک کفر ہے'' یہ گروہ ان
احناف کے علاوہ ہے اس لیے کہ یہ اس شئی کا انکار ہے جس کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ اللہ
تعالیٰ کا حکم ہے۔'' ایک گروہ اس کے مخالف ہے، انہوں نے اجماع قطعی کی حجیت
میں کہا ہے کہ اگرچہ یہ قطعی ہے لیکن (ضروریات دین سے نہیں بلکہ نظریات دین
سے) ایک نظریہ ہے سو یہ حیز ظہور سے حیز اشکال میں داخل ہوگیا جیسا کہ بسملہ (کہ جو
'بسم اللہ' کے سورۂ فاتحہ سے نہ ہونے کی حیثیت سے انکار کرے وہ کافر نہیں) اور اسی
وجہ سے ''یعنی اس وجہ سے کہ اجماع قطعی کے حکم کا انکار کفر نہیں۔'' روافض کی تکفیر
نہیں کی گئی۔'' باوجود کہ روافض شیعہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحابہ وسلم کے سچے
اور برحق خلیفہ کی خلافت کے منکر ہیں حالانکہ اس پر بغیر کسی شک وشبہ کے اجماع منعقد

ہو چکا ہے۔ اور یہ بات بظاہر دلالت کرتی ہے کہ ان کی عدم تکفیر اس شخص کے ساتھ
مخصوص ہے جو حکم اجماع کے انکار کو کفر نہیں سمجھتا البتہ وہ شخص جو انکار اجماع کو کفر
سمجھتا ہے تو وہ (انکار کی وجہ سے) کافر ہوگا۔ جبکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ حنفیہ
کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہے حتی کہ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی
مگر فرقہ خطابیہ (کہ یہ جھوٹی گواہی کو اپنے زعم فاسد سے جائز سمجھتے ہیں) حالانکہ امام
صاحب علیہ الرحمہ نے اہل قبلہ میں سے کسی ایک کی تکفیر نہ کرنے پر نص فرمائی ہے
اور شیخ ابن ھمام علیہ الرحمہ اگرچہ ان کا ''فتح القدیر'' میں بدعتی کی امامت کے مسئلہ میں
تکفیر کی طرف میلان ہے لیکن ''کتاب الخراج'' میں ان کی عدم تکفیر کا واضح بیان ہے
اور وہ جو دو بزرگ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی علیہما الرحمہ سے ان کے
پیچھے نماز کے ناجائز ہونے کا بیان مروی ہے۔ وہ ان کے کفر کی وجہ سے نہیں ہے
جیسا کہ اس بارے زعم کیا جاتا ہے بلکہ اس لیے کہ وہ جماعت اور امامت کے منکر ہیں
سو وہ ان کی امامت کے وقت اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کی نیت نہیں کریں گے۔
نیت کے فقدان کی وجہ سے ان کی اپنی نماز باطل ہو جائے گی جس سے مقتدیوں کی
نماز باطل ہو جائے گی اور اس لیے بھی کہ جب ان کی بدعت اس قدر شدت اختیار کر
گئی جو کفر کے قریب پہنچا دینے والی ہے اور یہ بات انکے ایمان میں شبہہ پیدا
کرتی ہے اور قوی کر دیتی ہے اس واسطے ان کی اقتداء سے منع کر دیا گیا اور جو شخص
ان کی اقتداء کرے اس کی نماز کے فساد کا حکم دیا گیا۔ اور ''بحر الرائق'' میں انتہائی
تفصیل سے تحقیق کی گئی ہے کہ روافض کی تکفیر ہمارے متقدمین ائمہ کا مذہب نہیں یہ تو
متاخرین کے ہی اقوال میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور ان کی عدم تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ

روافض کے تدین نے واقع کیا جس میں ان کے دین بنانے نے انہیں واقع کیا۔
سو وہ روافض اس میں واقع ہوئے جس میں وہ واقع ہوئے اپنی طرف سے یہ گمان
کرتے ہوئے کہ ان کا تدین دین محمدی علی صاحبھا الصلاۃ والسلام ہے اگرچہ ان کا یہ
زعم وگمان کسی شک کے احتمال کے بغیر یقینی طور پر باطل ہے اور ان روافض نے
اپنے زعم کے مطابق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کو جھٹلایا نہیں۔
سو یہ کفر کا التزام کرنے والے نہ ہوئے اور التزام کفر کفر ہے لزوم کفر کفر نہیں ہے۔
البتہ ان روافض کا اجماعی مسئلہ کا انکار یہ انکار اگرچہ جلی واضح ہے اور ان کی سفاہت
سے پیدا ہوا لیکن یہ انکار اس بات کے اعتراف کے ساتھ نہیں ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ
ہے۔ بلکہ وہ ان کے اس طرح ہونے کا انکار کرتے ہیں اس شبہ کی وجہ سے جو ان
کے لیے پیدا ہوا اگرچہ وہ حقیقت میں باطل ہے اور ان کے زعم میں یہ ہے کہ امیر
المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقیہ اور خوف کی وجہ سے بیعت کی اگرچہ ان کا
یہ زعم ایسا باطل ہے جس پر بچے بھی ہنستے ہیں اور امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ ایسے تقیہ شنیعہ سے بری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم آپ بری ہیں شک نہیں آپ بری
ہیں۔ سو یہ شبھہ اگرچہ شبھہ شیاطنیہ ہے اور اس شبہ شیطانیہ پر وساوس شیطانیہ ان
روافض پر چڑھ نکلے لیکن یہ تکفیر سے مانع ہے۔ اجماعی مسئلہ کے انکار کا کفر اس بات
کے اعتراف کرنے کے ساتھ ہی ہے کہ یہ مسئلہ بغیر کسی تاویل کے اجماع قطعی ہے۔
اور یہ ایسے ہی ہے جس طرح کسی نے نص قطعی کے ساتھ منصوص مسئلہ کا تاویل باطل
کے ساتھ انکار کیا تو وہ کفر نہیں ہے، اسی طرح یہ مسئلہ ہے۔ اس وجہ عدم تکفیر کے بیان
سے تیرے لیے ''خوارج'' کی عدم تکفیر کا سر اور راز ظاہر ہو گیا باوجود کہ امیر المومنین علی

المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے وہ فضائل جن پر اجماع قطعی ہے کے منکر ہیں اور مولائے علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف (معاذ اللہ) کفر کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ ان کا ایمان وفضائل چمکتے سورج کی طرح ثابت ہیں اور اس پر اجماع قطعی کی صورت میں اتفاق ہے اور (خوارج) مسلمانوں کے مال اور ان کے خون کی عصمت کا انکار کرتے ہیں اور مسلمانوں کے قتل اور ان سے ان کے مالوں کے چھیننے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے روایت کیا کہ امیر المومنین خوارج کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ اور امیر المؤمنین نے یہ ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں مساجد سے نہیں روکتا تم اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو۔“ اس بات کو سمجھ اور حفظ کرلے۔ اور ضروریات دین ”جیسا کہ روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد اور کعبہ شریف کی طرف رخ کرکے نماز کا واجب ہونا“ ”اس اختلاف سے“ خارج ہے تمام اہل قبلہ کے اتفاق کے مطابق ”کہ ضروریات دین کا انکار بالاتفاق یقینی کفر ہے۔“

(فواتح الرحموت علی مسلم الثبوت، ج ۲ ص ۲۹۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے شم العوارض فی ذم الروافض میں، تفضیل صحابہ، تفضیل انبیاء علی بعض الانبیاء تفضیل ملائکہ اور امامت وخلافت کے بارے میں فرمایا کلها من الظنیات الفرعیات المناسب ذکرها فی المسائل الفقهیه (الی ان قال) ولقد أخطأ خطأً فاحشا مَن عدّ مثل هذه الأمور المذكورة مما علم من الدين بالضرورة یعنی یہ تمام امور ظنی اور فروعی مسائل سے ہیں جن کا ذکر مسائل فقہیہ میں مناسب ہے (ذرا آگے لکھتے ہیں) اور تحقیق اس نے

فاحش خطاء کی جس نے ان امور مذکورہ کو ضروریات دین سے شمار کیا۔

(رسائل ملا علی قاری، ج ا ص ۵۹، ۶۰، رسالہ شم العوارض، مطبوعہ دار الکتب محلہ جنگی پشاور)

دوسرا جو امام ابن عساکر پر بہتان لگایا کہ ان کی روایات کو نقل کرنے والا ”یقیناً خود کو کافر اور منافق تسلیم کرنے والا ہے۔“

مفتی شائق محمود صاحب کا یہ فتویٰ اگر فتاویٰ رضویہ سے شروع کریں اور کتب اکابر تک چلیں تو کون سی شخصیت ان جناب کے فتویٰ سے محفوظ رہ جائے گی۔

خدارا ایسا غیر ذمہ دارانہ فتویٰ دے کر اہل سنت و جماعت میں انتشار وفتنہ پیدا نہ فرمائیں۔ اتحاد اہل سنت کی کوشش کریں ویسے بھی ہم نے مفتی شائق صاحب کا لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا تکفیری فتویٰ دیکھا اور اس کے ساتھ ان کے تعارف میں تین لقب لگے ہوئے تھے۔ (۱) امیر جماعت اہلسنت انٹرنیشنل، (۲) چیرمین تحریک امامت کبریٰ انٹرنیشنل، (۳) ناظم الجامعۃ السلطانیہ میرپور، ان عہدوں اور القاب کا تقاضا اور ذمہ داری مفتی شائق صاحب ایسے ادا کریں گے تو اہل سنت کے شیرازہ کو کس طرح سمیٹیں گے۔

بندہ تو یہی گزارش کرسکتا ہے کہ

۱۔ تو سنی سنائی بات پر مفتی صاحب کو فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔ اگر آپ کے کسی کارکن نے آپ کو کوئی غلط رپورٹ پہنچائی ہے تو آپ پر اس کی صحیح تحقیق کرنا ذمہ داری ہے۔

۲۔ جلد بازی میں فتویٰ نہ دیں۔

۳۔ ذاتی عناد کو فتویٰ نہ بنایا جائے۔

۴۔ اپنے کسی عہدہ کو محفوظ یا مشہور کرنے کے لیے فتویٰ نہ دیا جائے۔

۵۔ حکم تکفیر عائد کرنے میں دامن احتیاط تھاما جائے اور اجمال وابہام سے کام نہ لیا

جائے۔

اور ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے پھر یہ دیکھیں کہ آپ کے فتویٰ سے آپ کی ذاتی شہرت تو ہو جائے گی لیکن اس کا نفع ونقصان اہل سنت و جماعت کو کتنا ہوگا؟ کبھی اہل سنت و جماعت کی خاطر غیر ضروری تحقیق چھوڑ دینی چاہیے۔ آخر میں بندہ عرض گزار ہے کہ جو اس میں حق وصواب پائیں اس پر بندہ کے لیے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائیں اور جو اس میں ناصواب پائیں اس کا خطاوار مجھ کو ٹھہرائیں بیشک شر نفس سے بچنا اسی ذات قدوس کی پناہ سے ہے۔ یاالٰہی بندہ کی خطائیں معاف فرما اور ہم سب پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام

واللہ بالصواب

فقط ضمیر احمد مرتضائی

۱۴ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

کلمات دعائیہ

آخر میں بندہ اپنے والدین، اساتذہ ومشائخ کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور خاتمہ بالایمان کی دولت عطا فرمائے۔

خصوصاً میرے پیارے ماموں جان

استاذ العلماء فضیلۃ الشیخ

صاحبزادہ **میاں خلیل احمد مرتضائی** حفظہ اللہ تعالیٰ

(صدر مدرس ومہتمم جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف ضلع شیخوپورہ)

کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے

اور

ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

طالب دعا

ابوالحسن محمد

الشہیر

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ (سورۃ الماعون: ۴-۵)

"ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے، جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

الحکم الشرعی فی الصلاۃ علی الکرسی

کرسی پر نماز کی شرعی حیثیت

قرآن وحدیث اور مفسرین ومحدثین عظام، ائمہ لغت وفقہاء کرام کی تحقیقات کے مطابق

معذور شخص کے لیے کرسی پر نماز کے جواز اور تندرست کے لیے

عدم جواز پر پہلا تفصیلی مقالہ

از

استاذ العلماء **مفتی ضمیر احمد مرتضائی** حفظہ اللہ تعالیٰ

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

مسلم کتابوی

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور 042-37225605

Email:muslimkitabevi@gmail.com